سلسلے روشنی کے

نبیلہ ابرار راجہ



نبیلہ ابر راجہ

سال دو سے عید

مکمل ناول

صبح کے دس بج چکے تھے' وہ بستر میں الٹی لیٹی کولڈ پلے کا viva la vida سن رہی تھی۔ رات دیر تک ملائکہ سے فون پر گپیں مارنے کی وجہ سے اسے نیند بھی کافی دیر سے آئی تھی۔ ابھی بھی وہ سوئی رہتی' اگر ماہ نور کی کال اسے نہ جگاتی۔

باہر سے رمضان اور ساجدہ کی آوازیں آرہی تھیں۔ رمضان اس گھر کا پرانا ملازم تھا' جبکہ ساجدہ کو سائرہ بیگم نے کچھ عرصہ پہلے ہی باورچی خانے اور دیگر کاموں کے لیے رکھا تھا۔

ساجدہ نے ڈرتے ڈرتے دستک دی' کیونکہ چھوٹی بی بی زریم کے پل میں تولہ پل میں ماشہ موڈ سے اسے ڈر لگتا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ زریم نے اس سے کبھی نرمی سے بات کی ہو' ہمیشہ اس کا لہجہ آگ برساتا محسوس ہوتا۔ پتا نہیں کیوں ساجدہ سے اسے خدا واسطے کا بیر تھا۔

"آجاؤ۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔

ساجدہ دروازہ کھول کر دو قدم آگے بڑھی۔ اسے دیکھتے ہی زریم کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیا بات ہے؟" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"بی بی جی! صاحب جی کہہ رہے ہیں "آپ کو جگا دوں' وہ ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے وضاحت کی تو نریم کے ماتھے کے بل کچھ کم ہوئے۔

"جاؤ' میں آتی ہوں دس منٹ میں۔" ساجدہ نے غنیمت سمجھتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔

نریم نے اٹھ کر جوتے پہنے اور واش روم میں آگئی۔ سامنے دیوار پہ لگے آئینے میں اس کا چہرہ اور اس پہ رقم تھکن بڑی واضح تھی۔ نہ جانے کیوں اسے بے بسی کا احساس ہوا۔

آئینے سے نگاہیں چرا کر اس نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا' بکھرے بال دو چار ہاتھ مار کر سنوارے اور ڈائننگ ہال کا رخ کیا۔ جہاں پاپا سائرہ بیگم سمیت اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"گڈ مارننگ پاپا!" سائرہ بیگم کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ پاپا کے ساتھ والی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"نریم بیٹا! آپ کی مما بھی ادھر ہی ہیں' شاید آپ نے دیکھا نہیں ہے۔" تیمور ملک کے لہجے میں نہ محسوس کی جانے والی وارننگ سی تھی۔ وہ اندر تک جل کر رہ گئی' مگر اوپرے دل سے سائرہ کو بھی گڈ مارننگ کہنا ہی پڑا۔

وہ بے دلی سے ناشتہ کرنے لگی۔ تیمور ملک نے بغور اپنی لاڈلی بیٹی کا یہ انداز نوٹ کیا۔

"یہ لو' نا گاجر کا حلوہ' ساجدہ نے خاص طور پر بنایا ہے' بہت مزے کا بنا ہے۔" سائرہ نے حلوے والا ڈونگہ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر ڈونگہ لے لیا۔ تیمور بھی رغبت سے کھا رہے تھے۔

"تمہاری اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہی ہیں پاپا!" اس نے نگاہیں اٹھا کر پاپا کو دیکھا تھا۔

وہ ایم بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی اپنے پاپا کی لاڈلی۔ اتفاق یا بدقسمتی' سے سائرہ سے شادی کے بعد ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی' سو نریم اکلوتی ہو... اعزاز برقرار رکھے ہوئے تھی۔

سائرہ اور تیمور فہد کی شادی کی تیاری پر بات کر رہے تھے۔ فہد' سائرہ بیگم کا اکلوتا بھائی تھا۔ ... رشتہ انہوں نے بڑے چاؤ سے ڈاکٹر صبا سے چھ ... ماہ پہلے ہی طے کیا تھا۔ اب شادی ... تھی۔ سائرہ ... تیاری مکمل کر کے انتظار میں تھیں کہ کب ... جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ وہ بھی تقریباً "تیار ..." بس نریم سے بات کرنی تھی۔

"بیٹا! آپ اپنے کپڑے وغیرہ رکھ لیں' ہم کو لا... جانا ہے۔" تیمور ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔

"کیوں پاپا؟" اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"فہد کی شادی پہ جانا ہے بیٹا!"

"میں نہیں جاؤں گی۔" ایک عجیب سی ہٹ دھ... تھی اس کے لہجے میں۔ تیمور ٹھٹک سے گئے۔

"کیوں؟"

"بس میرا موڈ نہیں ہے' آپ جائیں؟" سائ... کرسی دھکیل کر کھڑی ہوئی اور اس سے پہلے کہ وہ اس... کچھ پوچھتے وہ تیز تیز چلتی باہر نکل گئی۔ تیمور... نگاہوں سے سائرہ کی طرف دیکھا اور شرمند... ہو گئے۔

"چلیں کوئی بات نہیں' اس کا موڈ نہیں ... بات نہیں۔" سائرہ نے خود ہی کہہ کر انہیں شرمندگی سے بچایا۔

☼ ☼ ☼

اسے سائرہ بیگم کے میکے کے ہر شخص سے واسطے کا بیر تھا۔

وہ سات سال کی تھی جب اس کی مما عائشہ ... ہوئی تھی۔ اسے زندگی کی تلخ حقیقتوں کا زیادہ ... تھا' مگر اتنا ضرور تھا کہ اسے احساس ہو گیا تھا کہ ... زندگی کسی بڑی کمی کا شکار ہو گئی ہے۔ پاپا اس ... تحاشا پیار کرتے تھے۔ مما کے جانے کے بعد ...

...کے بارے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے۔

دوستوں' رشتہ داروں نے بہت زور ڈالا کہ دوسری شادی کر لو' مگر وہ نہ مانے۔ عائشہ کے بعد ان کا دل امنگوں سے خالی ہو چکا تھا۔ نریم ان کی بھرپور محبت اور توجہ کے سائے تلے پروان چڑھ رہی تھی۔

وہ چودہ سال کی تھی' جب تیمور کی ملاقات ایک ... کی شادی میں سائرہ سے ہوئی۔ جان پہچان کے ابتدائی مراحل طے ہونے کے بعد کچھ بھی مشکل نہ رہا۔ عائشہ کے بعد سائرہ دوسری عورت تھی' جس نے ان کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا۔ یوں لگ رہا تھا' وہ برسوں کے طویل خواب کے بعد جاگے ہوں۔

سائرہ بیاہ کر ان کے بڑے سے گھر میں چلی آئیں' جو شاید ان ہی کے انتظار میں تھا' مگر نریم کو پاپا کی دوسری شادی نے بہت بڑے صدمے سے دوچار کر دیا۔ اسے اب بھی یاد تھا کہ سائرہ بیگم کے اس گھر میں آنے اور مما کے بیڈ روم پہ قبضہ کر لینے کے بعد وہ کتنے ہی دن بیمار رہی تھی۔ اتنی کہ پاپا بھی پریشان ہو گئے تھے۔ اس کا بخار کم ہونے میں آ ہی نہیں رہا تھا۔

سائرہ بیگم نے اس کی مما کی ہر چیز پہ قبضہ کر لیا تھا۔ روز اول سے ہی نریم کے دل میں نفرت جڑ مضبوط کر چکی تھی۔ بعد میں سائرہ نے کتنی کوشش کی اس کے قریب آنے کے لیے' مگر جواباً "نریم کی ٹھنڈی سرد نگاہیں طنزیہ تاثرات انہیں خود ہی سمٹنے میں مجبور کر دیتے۔ وہ انہیں قبول نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایک تلخ حقیقت تھی۔

دوسری طرف یہ چیز بھی روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ تیمور ملک اپنی بیٹی کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔

جس روز سائرہ پاپا کے ساتھ اس کی مما کے گھر آئی تھیں' اس رات اس نے پاپا کو اپنے پاس سے اٹھنے ہی نہیں دیا تھا' اپنے سونے تک۔ جب وہ گہری نیند میں گئی تو تب تیمور اس کے پاس سے اٹھے تھے۔

آنے والے دنوں میں سائرہ کے خلاف اس کی نفرت بڑھتی گئی۔ وہ سائرہ سے وابستہ ایک ایک شخص سے نفرت کرتی تھی۔ پہلے وہ ایک دو فنکشن میں پاپا کی منتوں کے بعد سائرہ کے ساتھ ان کے خاندان میں منہ بنا کے چلی گئی تھی' مگر تین سال پہلے جب سائرہ کی کزن کی شادی تھی تو تب اس نے ایسی کسی بھی تقریب میں نہ جانے کا اٹل فیصلہ کیا تھا۔ تب پاپا ایک کاروباری دورے پہ کراچی میں تھے اور عین شادی کے دن وہ وہیں سے سیدھے سائرہ کی کزن کے گھر پہنچے تھے۔ یہاں آ کے انہیں نریم کے نہ آنے کا پتا چلا تھا۔

ادھر وہ پھوپھو کے گھر میں چلی گئی تھی۔ نوکروں کے ساتھ اکیلے گھر میں رہنا بھی مشکل تھا' پاپا نے واپس آ کے اسے کہا تو کچھ نہیں' مگر اس کے اس رویے سے پریشان سے تھے۔ تب نریم نے اپنی سب سے عزیز فرینڈ ملائکہ سے اس بارے میں بات کی اور کھل کے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ سائرہ بیگم کا تو نام ہی اس نے چڑیل رکھا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈیک خوب اونچی آواز میں چل رہا تھا۔ کھانے پینے کے ساتھ ساتھ گپ شپ کا بھی دور چل رہا تھا۔ تینوں ملائکہ کے گھر میں جمع تھیں۔ وہ ہفتے پندرہ دن میں مل بیٹھنے کا موقع نکال ہی لیتی تھی۔ کل بھی وہ مسلسل

بوریت کا رونا رو رہی تھی۔ اس کی کال آئی تو زریم سائرہ کو بتائے بغیر ڈرائیور کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی۔ پھر ماہ نور اور ثانیہ بھی آگئیں تو خوب محفل جمی۔

"لائف از سو بورنگ یار!" ماہ نور نے منہ بگاڑ کر ایک ٹی وی اشتہار کی نقل اتاری تو ملائکہ نے ہاتھ میں پکڑا کشن دور بیٹھے بیٹھے ہی اس کی طرف پھینکا، جو کمال مہارت سے اس نے کیچ کر لیا۔

"کچھ نیا ہونا چاہیے لائف میں۔" یہ ثانیہ تھی۔

"یار! تم بھی تو کچھ بولو، جب سے آئی ہو عجیب سی شکل بنائی ہوئی ہے۔" ملائکہ نے زریم کو ٹہوکا دیا، جو اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی ان سب سے الگ تھلگ۔

"بس یار! عجیب سی ٹینشن ہے۔ پاپا، سائرہ بیگم کے ساتھ شادی پہ جا رہے ہیں۔" اس نے منہ بنا کر بتایا۔

"تو اس میں اتنا اداس ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میں نہیں جا رہی ان کے ساتھ۔"

"نہ جاؤ۔" ملائکہ بے نیازی سے بولی۔

"اسٹوپڈ! پھوپھو کے گھر جانے کا میرا موڈ نہیں ہے۔"

"تو میری طرف آجاؤ، میں بھی بہت بور ہو رہی ہوں، لائف میں کوئی تھرل، کوئی ایڈونچر نہیں ہے۔ تم آؤ تو کچھ پلان کرتے ہیں۔"

"اوکے اوکے۔ میں پاپا سے بات کرتی ہوں کہ وہ سائرہ بیگم کے ساتھ تشریف لے جائیں، میں تمہاری طرف آجاؤں گی۔" سائرہ کے نام پہ خود بہ خود ہی اس کے لہجے میں نفرت در آئی تھی۔

ساری فرینڈز کو اس کی نفرت کا پتا تھا، ماہ نور تو چپ رہتی تھی، مگر ملائکہ اور ثانیہ بھرے کرتی رہتی تھیں، جس کی وجہ سے اس کے دل میں دبے نفرت کے شعلوں کو ہوا ملتی رہتی۔

بہت ٹائم ہو گیا تھا۔ زریم آنے کا وعدہ کر کے گھر لوٹ آئی۔ پاپا کی گاڑی ڈرائیو وے میں کھڑی تھی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ گھر میں موجود ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے میں آئی، جہاں پاپا پہلے سے ہی موجود شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک لمحے کے لیے وہ پریشان سی ہوئی، مگر پھر خود کو سنبھال لیا۔

"زریم! آپ اپنی ما کو بتا کر کیوں نہیں گئیں۔" تیمور کا لہجہ بہت ٹھنڈا تھا۔

"میں انہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"چٹاخ۔" کی آواز ابھری۔ زندگی میں پہلی بار تیمور کا ہاتھ بیٹی پہ اٹھا تھا۔

وہ کتنے سال سے یہ سب برداشت کر رہے تھے مگر آج ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، تب ہی ان کا ہاتھ زریم پہ اٹھا اور گال پہ نشان چھوڑ گیا۔

"وہ ما ہیں تمہاری اور تم اب چھوٹی نہیں ہو، بی اے کی اسٹوڈنٹ ہو، یہ ہٹ دھرمی مجھے پسند نہیں اور ہاں اپنی تیاری کر لو شادی پہ جانے کے لیے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" غصے اور دکھ کی شدت کے باوجود وہ بول پڑی۔

تیمور ملک چند منٹ اس کے باغی تاثرات کو دیکھتے رہے اور پھر کمرے سے نکل گئے۔ آج انہیں اپنے بے پناہ کمزور ہونے کا احساس ہوا تھا۔

زریم ان کی لاڈلی اولاد تھی، سائرہ سے شادی کے بعد اس نے تیمور ملک کو بھی نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ سائرہ جیسی سمجھ دار شریک حیات کا ساتھ نہ ہوتا تو نہ جانے کیا کرتے۔ پھر جس طرح آج وہ بتائے بغیر ملائکہ کی طرف گئی، اس کا انہیں شدید رنج تھا۔ اسے مار کر اب وہ خود بھی رنجیدہ تھے۔ دل پہ جیسے کوئی مسلسل گھونسے برسا رہا تھا۔

زریم کمرہ بند کر کے روتی رہی، آج پاپا نے اسے مارا تھا، اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی اسے پھولوں کی چھڑی سے بھی چھوا گیا ہو اور آج پاپا نے کتنی بے دردی سے اسے تھپڑ مارا۔ اسے پورا یقین تھا وہ منانے آئیں گے، مگر ساری رات گزر گئی وہ نہیں آئے۔

اسے پورا یقین تھا، یہ سب کیا دھرا اس چڑیل ڈائن سائرہ بیگم کا ہے، جس کے اشاروں پہ پاپا کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہے تھے۔

پہلے اس کے پاپا کو چھینا، پھر اس کی ما کے گھر پہ قبضہ کیا اور اب پاپا کو اس پہ ہاتھ اٹھانے پہ مجبور کر دیا۔ ورنہ اس کے پاپا ایسے نہیں تھے۔

"ماما کاش اب مجھے چھوڑ کر نہ جاتیں، تو پاپا! مجھے یوں نہ مارتے۔" وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح تیمور ملک کے نکلنے سے پہلے ہی زریم نے پھوپھو کو فون کر دیا۔ ساری کہانی وہ انہیں سنا چکی تھی، سو وہ اسے لینے آ پہنچیں۔ اب تیمور کے پاس کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی تھی، خوامخواہ غصہ کر کے وہ بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ جاتے وقت انہوں نے زریم کو پیار سے گلے لگایا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ زریم کے دل کو کچھ ہوا۔

"اگر ساتھ چلتیں تو اچھا تھا، مجھے پریشانی نہ ہوتی۔ خیر تمہاری مرضی ہے، جیسے خوش رہو۔" وہ آہستہ سے بولے اور ایک بار پھر اسے سینے سے لگا لیا۔

سائرہ نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنا چاہا تو وہ نامحسوس انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ سائرہ نے ایک بار پھر اس کی بیگانگی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

البتہ ثروت کو کچھ اطمینان سا تھا، کیونکہ بھائی کی دوسری شادی کو انہوں نے بھی پسند نہیں کیا تھا، پھر زریم کا رویہ بھی سامنے تھا۔

سائرہ بیگم اور پاپا کے جانے کے بعد اس کا دل جیسے خالی خالی سا ہو گیا تھا۔ پاپا پہلے بھی جاتے رہتے تھے، مگر آج جانے کیوں دل بجھ سا گیا تھا۔ ثروت اس کے انتظار میں تھیں کہ کب وہ تیار ہوتی ہے، مگر اس نے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا۔

"پھوپھو! میں ملائکہ کے پاس رکوں گی، میں نے آنٹی کو فون کر کے کہہ دیا ہے، آپ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔" ثروت حیرت سے اس پل پل رنگ بدلتی لڑکی کو دیکھتی رہ گئیں۔

"ہونہہ! مجھے کیا، بے شک دوست کے پاس رہے۔ اپنا اچھا برا خود سوچ سکتی ہے۔" وہ بیگ میں کپڑے رکھتی زریم کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

دل میں اس کے خلاف غصہ بھرتا جا رہا تھا۔ بھائی اور بھابھی کو تو یہ اطمینان تھا کہ وہ پھوپھو کے گھر ہے، مگر لاڈلی بیٹی دوست کے گھر رکنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ ان کے خاندان میں بیٹیوں کو اس حد تک آزادی دینے کا رواج نہیں تھا۔

زریم کو بھی احساس تھا کہ اس نے پھوپھو کو ناراض کر دیا ہے، سو اس نے اپنا رویہ نرم کر لیا۔

"پھوپھو! میری نہ کوئی بہن ہے نہ بھائی، اکیلے گھر میں بات کرنے کو بھی ترس جاتی ہوں، ملائکہ بہت اچھی ہے، اگر میری کوئی بہن ہوتی تو بالکل ملائکہ جیسی ہوتی۔ سچ پھوپھو! اس کی فیملی بہت اچھی ہے، ایک دو دن اس کی طرف رک جاتی ہوں، پھر آنا تو آپ کی طرف ہی ہے۔" اس کی آخری بات پہ ثروت بالکل موم ہو گئیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں، پھر گھر جاؤں گی۔" ثروت مان گئی تھیں، زریم نے بمشکل اپنی خوشی چھپائی۔

☼ ☼ ☼

ملائکہ گھر میں اکیلی تھی، اس کی ما ایک این جی او کی روح رواں تھیں اور ایک میٹنگ میں شریک تھیں۔ سو ثروت کی ملاقات ان سے نہ ہو سکی۔ وہ گھر کو دیکھ کر مرعوب سی تھیں، اب انہیں زریم کے یہاں رکنے پہ کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ادھر ملائکہ بہت خوش تھی۔ اس نے بیٹھے بیٹھے کئی پروگرام بھی بنا ڈالے تھے۔ اسی وقت ماہ نور اور ثانیہ کو بھی فون کر کے بلا لیا گیا۔ اب وہ تھی اور ایک طوفان بدتمیزی تھا۔ ثانیہ بتا رہی تھی کہ آج مارکیٹ میں شاپنگ کرتے ہوئے ایک لڑکے نے اس کا موبائل چھیننے کی کوشش کی، مگر اس کے شور مچانے اور

لوگوں کی بروقت مداخلت کی وجہ سے پھر بھاگ گیا۔

ملائکہ پوری دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"واہ یار! ایک آئیڈیا آیا ہے۔" ثانیہ خاموش ہوئی تو وہ پرجوش انداز میں بولی۔ ثانیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کیسا آئیڈیا؟" زیم اور ماہ نور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اصل میں موبائل چھین کر بھاگنا بھی ایک طرح کا فن ہے۔" اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"یہ فن نہیں ہے، یہ ایک جرم ہے۔" ماہ نور بول اٹھی۔

"دیکھو وہ لڑکا اپنی ضرورت کا مارا ہوگا، تب ہی اس نے بھری مارکیٹ میں یہ حرکت کی، اگر میں یہ کام کرتی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں صرف انجوائے منٹ کے لیے یہ سب کر رہی ہوں، جسٹ فن یار۔ میں بہت بور ہو رہی ہوں۔"

"تو پھر؟" ثانیہ نہ سمجھ آنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے بھی پلان کیا ہے کہ کوئی چھوٹا موٹا ایڈونچر ہونا چاہیے۔"

"کیسا ایڈونچر؟ کس قسم کا؟" اب وہ تینوں اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہم بھی کسی کو کڈنیپ کریں گے۔" اس نے دھماکہ کیا۔

اگرچہ ثانیہ اور ماہ نور اس کے تاثرات سے پوری طرح کسی غیر متوقع ہاں کا اندازہ لگا چکی تھیں، مگر وہ یہ کہے گی ان کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

"تم ہوش میں ہو۔" ماہ نور جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مائی ڈیر! میں ہوش میں ہوں، تب ہی کہہ رہی ہوں، جسٹ فار انجوائے منٹ یار! تم میں ابھی تک پرانی لڑکیوں کی روح گھس کر بیٹھی ہوئی ہے۔ یار! ہم کون سا جرم کر رہے ہیں۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے کسی کو پکڑ کر لائیں گے، پھر چند گھنٹے بعد چھوڑ دیں گے۔"

ملائکہ یوں بول رہی تھی جیسے کوئی پکنک کا پروگرام سیٹ کر رہی ہو۔

"یہ بہت خطرناک کام ہے۔" ماہ نور نے سب سے پہلے زبان کھولی۔

"نہیں یار! کوئی خطرناک کام نہیں ہے، ہم پلان کر کے کریں گے، دیکھنا کتنا مزا آئے گا، بوریت کا یوں خاتمہ ہوگا۔" ملائکہ نے چٹکی بجائی۔

"تم لوگ فکر نہ کرو۔ سارا رسک میں لوں گی، ہماری انیکسی خالی ہے، بس ادھر ہی رکھیں گے جس کو کڈنیپ کریں گے۔" وہ ازلی لاپروائی سے کہہ رہی تھی۔

اب وہ تینوں بھی اسے کچھ کچھ متفق ہو گئی تھیں۔ ملائکہ کا ارادہ تھا اپنے فرینڈ ارمان کو بھی اس منصوبے میں شریک کرے گی، مگر ثانیہ سمیت ان دونوں نے بھی اس کی بھرپور مخالفت کی تھی۔

پتا نہیں کیا بات تھی۔ زیم کو تو اس کا فرینڈ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ماہ نور کا تو تین سال پہلے ہی اپنے کزن سے نکاح ہو چکا تھا، جبکہ ثانیہ بھی انگیج تھی۔ ملائکہ بھی ارمان میں انٹرسٹڈ تھی، صرف زیم ہی بچی تھی۔ رشتے تو اس کے بھی آ رہے تھے، مگر تیمور کو ابھی تک کوئی بھی دل سے نہیں بھایا تھا، پھر زیم کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اس معاملے میں وہ خاموش ہی تھے۔

ارمان بہانے بہانے سے ان کے ڈیپارٹمنٹ میں آتا جاتا رہتا تھا۔

کہنے کو تو وہ ملائکہ کا خاص الخاص دوست تھا، مگر اس کی نظریں جس طرح زیم کا طواف کرتی تھیں وہ اندر ہی اندر جز بز ہو جاتی تھی۔ لمبے لمبے بالوں والا ارمان اسے بالکل پسند نہیں تھا، جانے ملائکہ کیا دیکھ کر مرتی تھی۔

✡ ✡ ✡

"اوکے فرینڈز، پھر ڈن ہے۔" ملائکہ نے اپنے ہاتھ پر ان تینوں کا ہاتھ رکھ کر وعدہ لیا۔

زیم خوف زدہ ہونے کے ساتھ پرجوش بھی تھی۔

یہی حال ثانیہ اور ماہ نور کا بھی تھا۔ ملائکہ نے ایڈونچر اور فن کے نام پہ لمبی چوڑی تقریر کی تھی، ان کے جو رہے سہے اعتراض تھے وہ بھی ختم ہو گئے تھے۔

ملائکہ نے پورا پروگرام سیٹ کر لیا تھا۔ پاپا کا پسٹل ان کے بیڈ روم میں سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رہتا تھا۔ اسے چلانا بھی آتا تھا اور اس میں گولیاں بھی موجود تھیں، وہ پہلے ہی چیک کر کے دیکھ چکی تھی۔ وہ پوری طرح تیار تھی۔

✡ ✡ ✡

زیم کو ملائکہ کے بیڈ روم میں کافی دیر کے بعد نیند آئی تھی، کیونکہ اجنبی بستر تھا۔ کروٹیں بدل بدل کے بے حال ہوتی وہ جانے کب سوئی۔ ملائکہ ٹیرس پہ کھڑی سیل فون پہ ارمان سے بات کر رہی تھی۔ گلاس ڈور سے وہ کتنی بار اندر دیکھ چکی تھی، جب زیم سو گئی تو اسے اطمینان سا ہوا۔ اس نے ارمان کو بھی اپنے منصوبے کے بارے میں آگاہ کر دیا۔

اگرچہ وہ تینوں اسے منع کر چکی تھیں کہ ارمان کو نہ بتانا، مگر ارمان کو بتائے بغیر اس کا کھانا کہاں ہضم ہوتا تھا۔

"ونڈر فل آئیڈیا ملائکہ!" ارمان کے لہجے سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اسے اپنی خوشی سنبھالنی محال ہو۔

"میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس کو کڈنیپ کرنا ہے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ نہ جانے کیوں ملائکہ کو اچھا نہیں لگا اس کا یوں دلچسپی لینا۔ وہ بڑھ بڑھ کے بول رہا تھا مشورے دے رہا تھا۔

وہ چپ چپ سی تھی، اس کے استفسار پہ ہوں ہاں کرتی رہی۔

✡ ✡ ✡

پرہائی وے کی اس ذیلی سڑک پر سلیمان کی گاڑی چلتے چلتے اچانک ایک جھٹکا لے کر لہرائی اور مزید کچھ آگے جا کر رک گئی۔ وہ دروازہ کھول کر اتر آیا۔ بونٹ اٹھا کر وہ پرزوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا، مگر گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی۔ اسے اس شہر میں آئے پانچواں روز تھا۔

کسی سے اتنی خاص واقفیت نہیں تھی، سوائے ولید درانی کے۔ اور وہ اسی سے ملنے جا رہا تھا کہ گاڑی خراب ہو گئی۔ اس سڑک پر اتنا رش نہیں ہوتا تھا، سو بہت کم گاڑیاں گزر رہی تھیں اور جو گزر رہی تھیں ان میں بیٹھے افراد نے ایک لمحے کے لیے بھی رک کر اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں گوارا نہیں کی تھی۔

سلیمان نے گاڑی کا دروازہ لاک کیا اور بادل نخواستہ سیل نکالا اور ولید کو کال کرنے کا ارادہ کیا۔ عین اسی وقت وہ گاڑی آگے جاتے دوبارہ پیچھے مڑی اور پھر اس کے بالکل قریب رکی۔

سلیمان نے سیل جیب میں ڈال لیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان اس طرحدار سی حسینہ نے شیشہ نیچے اتارا۔

"آپ کو لفٹ چاہیے؟" کوئی اور وقت ہوتا تو وہ انکار کر دیتا، مگر اس وقت شام کے سائے کب کے ڈھل چکے تھے اور خنکی میں اضافہ بھی ہو گیا تھا، پھر نہ جانے کتنی دیر اسے اور پیدل مارچ کرنا پڑتا۔

کسی مکینک یا ولید کا یہاں آنا بھی ضروری تھا، تاکہ گاڑی کو باندھ کر گیراج لے جایا جا سکتا۔ سو اس نے لفٹ کی آفر قبول کر لی۔ اس لڑکی نے اس کے چہرے پہ رضامندی کا اشارہ پاتے ہی ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والا دروازہ کھول دیا۔

بیٹھنے کے بعد سلیمان نے دیکھا پیچھے سیٹ پہ تین اور لڑکیاں بھی بیٹھی ہیں۔ اس نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ ادھر اس کے بیٹھتے ہی خاموشی چھا گئی تھی۔

"لگتا ہے آپ یہاں نہیں رہتے؟"

"جی ہاں۔ آپ کا اندازہ بالکل درست ہے، میں دوست کی طرف جا رہا تھا کہ میری گاڑی خراب ہو گئی، خرابی میری سمجھ میں نہیں آئی تو میں لاک کر کے چل پڑا۔"

"جس جگہ آپ کی گاڑی خراب ہوئی ادھر ٹریفک اتنی نہیں ہوتی، پھر حالات کی وجہ سے لفٹ بھی نہیں ملتی۔" اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے تفصیل سے بتایا۔

"آپ کو کہاں جانا ہے؟" گاڑی میں چھائی خاموشی کو اس حسینہ کی آواز نے توڑا۔

باقی تین لڑکیوں نے ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی۔

ایک کچی سڑک پہ گاڑی رک گئی۔ سڑک کے دونوں اطراف درخت تھے۔

"آپ ذرا نیچے اتریں۔" ذرا دیر کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ یہ بات نہ مانے۔ کچھ سوچ کر چپ چاپ اس کی ہدایات پر عمل کیا۔

"آپ دونوں بازو اوپر اٹھالو' زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش تمہیں مہنگی پڑے گی۔ پیچھے بیٹھو تم' اور ثانیہ! تم آگے آؤ' ڈرائیونگ تم کروگی' میں پیچھے بیٹھوں گی۔" اس حسینہ نے باری باری سلیمان اور ثانیہ سے کہا۔

اس کے ہاتھ میں جدید طرز کا مہلک ریوالور تھا جو اس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ ریوالور اس کے زیادہ استعمال میں نہیں ہے' پھر اندرونی ہیجان اور اضطراب کی وجہ سے اس کے پورے وجود پہ لرزش طاری تھی۔ سلیمان پہ من و عن عمل کرنے پہ تجسس غالب آگیا تھا' ورنہ فطری طور پر وہ بے خوف اور نڈر تھا۔

"چلو اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھو۔" پستول بردار حسینہ نے سلیمان کے ساتھ بیٹھی دوسری لڑکی کو حکم دیا۔

لڑکی دھان پان اور نازک سی تھی' لرزتے ہاتھوں سے موٹا کپڑا اس کی آنکھوں پہ باندھا۔ اس کے ہاتھوں کی ایک ایک حرکت ظاہر کر رہی تھی کہ اس کام میں اسے کافی مشکل پیش آرہی ہے۔

پچیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد گاڑی رک گئی۔ گیٹ کھولنے کی آواز آئی پھر گاڑی دوبارہ حرکت میں آئی۔

"میں تمہاری آنکھوں پہ سے پٹی ہٹا رہی ہوں' لیکن جلدی قدم بڑھاؤ۔" ساتھ ہی ملائکہ نے ثانیہ کو پٹی کھولنے کا اشارہ کیا۔

اس نے جلدی جلدی کھولی' تب ملائکہ نے سلیمان کو ٹہوکا دیتے ہوئے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ اس کے پیچھے وہ چاروں تھیں۔ اسے انیکسی میں لے جایا گیا۔

"زیم! جاؤ میرے بیڈ روم سے رسی لے آؤ' میں نے کل بیڈ کے نیچے رکھی تھی۔" تب سلیمان کو ان میں سے ایک لڑکی کا نام پتا چلا اور اس نے اپنی یادداشت میں محفوظ کرلیا۔

زیم رسی لے کر واپس آئی تو سلیمان نے اسے غور سے دیکھا۔ پانچ منٹ بعد وہ پوری طرح بے بس تھا۔ ملائکہ اب پوری طرح پُرسکون ہوچکی تھی۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور اور ثانیہ جاچکی تھیں۔

"میں تو اب نہیں آؤں گی' نہ اس ایڈونچر میں مزید حصہ لینے کا ارادہ ہے۔" ماہ نور نے ثانیہ کو گھر جاکر فون پہ اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو اس کی نگاہوں میں بھی چمک سی آگئی۔ اتفاق سے وہ بھی یہی سوچ رہی تھی۔

"ملائکہ کچھ کہے گی نہیں؟" اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"نہیں اور یہ سب نہیں کرسکتی' ذرا سوچو اگر ہمارے گھر والوں کو خبر ہوگئی تو کیا ہوگا؟ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے' ہماری پوری لائف ڈسٹرب ہوجائے گی۔ تمہاری مرضی ہے' میں تو کل مری جارہی ہوں کزنز کے ساتھ۔" اس کا ارادہ اٹل تھا۔ ساتھ ہی ثانیہ کو بھی حوصلہ مل چکا تھا۔

"ماہ نور! میں تمہارے ساتھ ہوں' مما سے کہتی ہوں کہ آپی کی طرف جانا ہے مجھے' کوئی بہانہ کرلوں گی۔"

"میں خود بہت پریشان ہوں۔ ملائکہ کو دیکھا کتنے آرام سے سب کچھ کرلیا۔ ریوالور کو بھی کتنے مزے سے پکڑا ہوا تھا۔ مجھے تو زیم کی فکر ہے' انکل اور آنٹی بھی ادھر نہیں ہیں' میں سمجھاؤں گی تو وہ مانے گی نہیں۔" ماہ نور کو اب زیم کی طرف سے پریشانی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' زیم حد سے زیادہ بیوقوف ہے۔ مجھے ملائکہ کا بھی بھروسہ نہیں' اگر اس نے ارمان کو بھی بتا دیا تو پھر یہ ایڈونچر نہیں رہے گا' کچھ اور بن جائے گا۔"

"کیوں نہ ہم انکل کو سب بتادیں یا پھر ملائکہ کی مما کو فون کرتے ہیں۔" ثانیہ کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"ارے نہیں' میں تو یہ نہیں کروں گی۔" ماہ نور صاف دامن بچا گئی۔ کیونکہ اس صورت میں ملائکہ ان کو بھی گھسیٹ لیتی پھر آگے جو ہوتا تو اس کا تصور ہی اس کے لیے محال تھا۔

سو بہتر یہی تھا کہ خاموشی سے اس معاملے سے الگ ہوجائے۔

☆ ☆ ☆

سلیمان ابھی تک کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ پایا تھا کہ اسے کیوں یہاں لایا گیا ہے۔ ابھی تک پستول بردار حسینہ نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ صرف وہ دونوں تھے۔ سلیمان آنکھیں بند ہونے کے باوجود اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کرچکا تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی دبی دبی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آگئی۔

اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ بہت شائستہ اور اچھے خاندان کا نظر آرہا تھا' پیروں میں قیمتی جوتے' کلائی پہ بندھی رسٹ واچ اور بیٹھنے کا انداز کسی طور بھی عام سا نہیں تھا۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ابھی تک وہ خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ مگر ملائکہ کی ننھی عقل میں یہ بات نہیں سما سکی تھی۔

زیم کھانا لے کر آئی تھی۔ اس صورت حال میں بھوک کس کو تھی' مگر چند نوالے سلیمان نے ضرور لیے۔

"اب رات کو کیا ہوگا؟" ملائکہ پہلی بار پریشان نظر آئی۔ زیم سے بات کرنا ہی فضول تھا' وہ کب سے چپ بیٹھی تھی' نہ بولتی تھی' نہ مشورہ دیتی تھی۔ ایسے میں ملائکہ کو پھر ارمان کا خیال آیا۔

وہ پریشان ہورہی تھی کہ خود ہی اس کی کال آگئی۔

"تم مجھ سے گھر پہ ملنے آسکتے ہو؟" وہ سلام دعا کے بغیر جلدی جلدی بول رہی تھی۔

"ابھی۔"

"ہاں ابھی۔"

"کیوں' کیا بات ہے؟"

"میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں؟"

"ارمان! میں نے ایک بندے کو کڈنیپ کرلیا ہے۔" اسے اب زیم کا خیال بھی نہیں رہا تھا' جس نے کہا تھا کہ ارمان کو نہ بتانا۔

سلیمان پورے جی جان سے اب ملائکہ کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ تاوان؟" ملائکہ تقریباً چیخ ہی پڑی اور پھر بات کرتے کرتے کمرے سے ہی نکل گئی۔

زیم ہڑبڑا کر اپنے خیالوں سے باہر آئی۔ کھانے کی ٹرے ابھی تک وہیں پڑی تھی۔ کھانے کے وقت سلیمان کے ہاتھ کھول دیے گئے تھے' جو ابھی تک کھلے ہوئے تھے۔ ارمان سے بات کرتے ہوئے ملائکہ کو اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا۔

نامحسوس انداز میں سلیمان نے اس لاپروائی کا فائدہ اٹھایا۔ اور بآسانی پاؤں آزاد کرالیے۔ اب صرف زیم تھی' جبکہ ماسٹر مائنڈ باہر تھی۔ سلیمان اب اور تاخیر نہیں کرسکتا تھا۔ رسی الگ کرکے جونہی کھڑا ہوا زیم کے لبوں سے بے ساختہ چیخ نکلی' اس سے پہلے کہ وہ سب کو متوجہ کرتی' سلیمان اس تک پہنچ چکا تھا۔ اپنا مضبوط ہاتھ اس نے جونہی زیم کے لبوں پر رکھا وہ ڈھیری ہوگئی۔

خوف کی شدت سے وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ سلیمان اسے چھوڑ کر محتاط قدموں سے باہر نکلا تو عین اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ یہ ایک اور مصیبت تھی۔ بھاگتے قدموں کی آواز اسی طرف آرہی تھی۔ وہ دیوار پہ چڑھا اور چند ہی لمحوں میں وہ باہر تھا۔

اندھیرے کے باوجود گھروں کے سائے واضح تھے

اور اندازہ ہو رہا تھا یہاں کے مکین متمول طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دس، پندرہ منٹ میں مختلف سڑکیں اور گلیاں مڑنے کے بعد وہ کافی دور نکل آیا تھا، مگر ابھی تک کسی ٹیکسی کا نشان نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا سیل فون بھی اس لڑکی نے لے لیا تھا، ورنہ وہ فون کرکے کسی دوست کو کہہ دیتا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے اسٹریٹ لائٹس جلتی نظر آئیں۔ آگے مین روڈ نظر آرہی تھی۔ اس نے رسٹ واچ دیکھی، ساڑھے دس بج چکے تھے۔ اسے روڈ پہ کھڑے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ٹیکسی مل گئی۔ اس نے ایڈریس سمجھایا۔

☼ ☼ ☼

"آئی کانٹ بلیو اٹ سلیمان۔" ولید کے چہرے پہ ابھی تک بے یقینی تھی۔

"تم یقین کرو یا نہ کرو میرے ساتھ ایسا ہو چکا ہے اور ابھی اس بات کو چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں۔" سلیمان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

کل سے اس نے اس پہلو پہ بہت سوچا تھا اور پھر آج ولید سے بات کی تھی۔

"میں جب لاہور میں پوسٹڈ تھا تو اس وقت میرے پاس ایک اسے ملتا جلتا کیس آیا تھا، مگر جو تم بتا رہے ہو چار لڑکیاں، اوہ نو یار....!" وہ ایک بار پھر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ولید! میں ان لڑکیوں کو چھوڑوں گا نہیں۔"

سلیمان کا چہرہ اٹل ارادے کی خبر دے رہا تھا۔

وہ دونوں میٹرک سے کلاس فیلو چلے آرہے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی دوستی بھی گہری ہوئی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد دونوں نے ہی پولیس ڈپارٹمنٹ جوائن کیا تھا۔ سلیمان اسپیشل برانچ میں آفیسر تھا، اور یہاں اس کا ٹرانسفر ہوتے ہی یہ واقعہ بھی ہو گیا۔

لڑکیاں اپنے لباس و انداز، بول چال سے اونچے گھرانے کی پروردہ نظر آرہی تھیں۔ ان میں سے جوان کی سرغنہ تھی، بہت بے خوف تھی، جبکہ باقی تینوں بے نیازی سی تھیں، جیسے انہیں کسی بات کی بھی خبر نہ ہو کہ کیا کرنے جارہی ہیں، اور اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

"تم کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ولید اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا چکا تھا۔

"ہوں۔" اس نے ہنکارا ابھرا۔ "وہ علاقہ تو مجھے [illegible] چل چکا ہے، جہاں مجھے لے جایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ یقینی طور پہ ایک لڑکا بھی ہے۔ ایک آئیڈیشل سچویشن ہے، جرائم کی ابتدا ایسے ہی ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو جرم کرتے ہوئے یا کرنے کے بعد پکڑ کا خوف نہیں ہوتا وہ عام لوگوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں اور ان لڑکیوں کے رویے میں، میں نے صاف طور پہ یہ بات محسوس کی ہے، یقین کرو میرا خون کھول جاتا ہے جب میں، صنف نازک کو اس قسم کی حرکتیں کرتے دیکھتا ہوں۔ اس لڑکی نے پستول تھام رکھا تھا اور اسے اس بات کا ذرہ بھر خوف نہیں تھا کہ اس کی ذرا سی بے احتیاطی سے گولی چل سکتی ہے۔ وہ اپنے ساتھی کو فون کرکے بتا رہی تھی اور تاوان کا لفظ بھی اس نے استعمال کیا تھا۔ میں اور باتیں نہیں سن سکا، کیونکہ وہ باہر چلی گئی تھی۔"

ولید غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"تو یہ ہے کہانی کہ اسپیشل برانچ کے آفیسر کو چار خوبرو لڑکیوں نے دن دہاڑے گن پوائنٹ پہ اغوا کرلیا۔" ولید نے قصداً شوخ انداز میں کہا تاکہ ماحول پہ چھائی سنجیدگی کم ہو سکے۔ سلیمان نے ٹیبل پہ رکھا پیپر ویٹ اٹھایا، مگر وہ ارادہ بھانپ کر سائیڈ پہ ہو گیا۔

"کاش! ہمیں بھی کوئی ایسے کڈنیپ کرے تو ہم کہیں اے حسینو! مجھے آزاد نہ کرو، اپنی زلفوں کی چھاؤں میں رہنے دو۔" ولید پوری طرح فارم میں آچکا تھا۔ سر جھٹک کر آنے والی فون کال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"ارمان! اب کیا ہوگا، میں بہت پریشان ہوں۔" دونوں ہاتھ مسلتی وہ بہت مضطرب سی لگ رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا ڈیئر ریلیکس۔ اس ڈفر نے شکر کیا ہوگا کہ بچ گیا، ورنہ میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، گھر آئی مرغی کو میں حلال کرنے کا قائل ہوں۔" وہ اس کے سامنے بیٹھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، جیسے اس کی سوچوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیا مطلب، میں سمجھی نہیں۔"

"تم نے شروع میں مجھے ساتھ نہ رکھ کر بیوقوفی کی، اگر مجھے پہلے ہی شریک کرلیتیں تو میں تمہیں بہت کام کی باتیں بتاتا اور تم نے جو انجوائے منٹ کے لیے کیا اس سے فائدہ اٹھانے کا گر بتاتا، مگر بہت افسوس کی بات ہے تم نے تو مجھے ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

"ارمان! اصل میں میری فرینڈز نے مجھے منع کیا تھا کہ تمہیں انفارم نہ کروں، خاص طور پہ نریم تو بہت چڑتی ہے تم سے۔" آج پریشانی میں نہ بتانے والی بات بھی اس کے منہ سے پھسل گئی تھی۔ ارمان نے سن کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"چلو کوئی بات نہیں، وہ چڑتی ہے تو.... تم تو نہیں چڑتیں نا.... اب تو میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

ملائکہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تم پہلے مجھے بتا دیتیں تو میں تاوان کے پچاس لاکھ مانگتا اور وہ سب تمہارے ہوتے....۔"

"سچ۔"

"بالکل ابھی ہم پیرنٹس پہ ڈپینڈ کرتے ہیں، مطلب ہمیں ذرا ذرا ضرورت کے لیے ممی ڈیڈی کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو سوچو کیا ہو؟ پھر ہمیں ان سے مانگنا نہ پڑے، ہمارا اپنا بینک اکاؤنٹ ہو۔"

"بینک اکاؤنٹ تو اب بھی ہے۔" ملائکہ نے فوراً اس کی بات کاٹی۔

"جوائنٹ ہے ڈیئر! ہم اپنی مرضی سے زیادہ رقم نہیں نکال سکتے۔" اگر تم تھوڑی ہمت کرو تو پھر انجوائے منٹ کی انجوائے منٹ اور پیسے کا پیسہ۔" ارمان نے چٹکی بجائی۔

"مگر ارمان اس میں بہت رسک ہے۔"

"میں ہوں نا تمہارے ساتھ، اب اپنی فرینڈز کو کچھ نہ بتانا، بس ہم دونوں ٹھیک ہیں، دیکھنا اس بار کتنا مزا آئے گا، ہم پوری پلاننگ سے سب کچھ کریں گے۔"

"ارمان اگر کچھ ہو گیا تو...؟"

وہ اب بھی وسوسوں کا شکار تھی۔

جب سے وہ نوجوان نریم کو بے ہوش کرکے اس کے قبضے سے بھاگا تھا تب سے وہ صحیح معنوں میں خوفزدہ تھی۔ اسے ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ جیسے سب کو پتا چل جائے گا اور وہ نوجوان کہیں اچانک اس کے سامنے آجائے گا۔ مگر آج ارمان سے بات کرکے وہ ذرا مطمئن ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس واقعے کو چار روز گزر چکے تھے اور کچھ بھی نہیں ہوا تھا، تب ملائکہ کے ساتھ نریم بھی پرسکون ہوئی۔ کیونکہ وہ ان کی شکلوں کے ساتھ ساتھ نام سے بھی واقف تھا۔ ملائکہ نے کئی بار اس کے سامنے نریم کو اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ جب ماہ نور اور ثانیہ کے سامنے نریم نے کھل کر اپنے خوف کا اظہار کیا تو انہوں نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ وہ بروقت اس معاملے سے جان چھڑا کر الگ ہوئی تھیں۔ اسی وجہ سے ملائکہ کا رویہ ان دونوں کے ساتھ بہت خراب تھا جسے ماہ نور نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

"ملائکہ بہت بدل گئی ہے، پہلے سی بات نہیں ہے اس میں۔ اور پھر ارمان کے ساتھ اس کی دوستی کے پورے ڈپارٹمنٹ میں چرچے ہیں۔" اس نے حتی الامکان نریم کے سامنے نرم لفظوں کا چناؤ کیا تھا، کیونکہ نریم ملائکہ کے بہت قریب تھی۔

"ارمان مجھے بھی پسند نہیں ہے، پتا نہیں ملائکہ نے اس میں کیا دیکھا ہے جو مری جارہی ہے۔" خلاف توقع وہ تنک کر بولی تو ماہ نور نے کچھ جتاتی نگاہوں سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے اس میں جو بھی تبدیلیاں آئی ہیں سب ارمان دوستی کی مرہون منت ہیں۔ ورنہ اس نے اتنا جو خطرناک کام کیا ہے وہ کم سے کم میں نہیں کر سکتی۔" ثانیہ نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"تم بے شک نہیں کر سکتی، مگر اس ایڈونچر میں شریک رہی ہو اسے انکار کرو گی؟"

"شریک تو تم بھی رہی ہو۔" ثانیہ زریم کے وار پہ تلملا گئی۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو واقعی میں شریک رہی ہوں اور میرا نام بھی ملائکہ نے اس کے سامنے لیا، اگر پاپا کو پتا چل گیا تو۔" زریم نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"کچھ نہیں ہوتا تم پریشان نہ ہو۔" ماہ نور نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ اس کو دیکھ کر رہ گئی۔



سائرہ جب سے شادی سے واپس آئی تھیں نوٹ کر رہی تھیں کہ زریم بہت ڈسٹرب سی ہے۔ تیمور ملک نے بھی اس بات کو نوٹ کیا تھا۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ شاید وہ خود ہی بتا دے۔ مگر تاحال اس کی طرف خاموشی تھی، تیمور صاحب نے اسے اس کی ناراضی پہ محمول کیا تھا۔

وہ بیڈ پہ سیدھی لیٹی چھت کو گھور رہی تھی، جب سائرہ بیگم نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ آہٹ پہ زریم سیدھی ہوئی اور پھر سامنے سائرہ کو پاکر سدا کا تنفر اس کے چہرے پہ بھی ابھر آیا۔

"جی کیا بات ہے؟" وہ اٹھ بیٹھی۔ سائرہ بے چاری کھسیا گئیں۔

"کمرہ بند کر کے کیوں بیٹھی ہو، باہر آؤ، تمہارے پاپا بھی پوچھ رہے ہیں کہ چھٹی کا دن ہے اور تم ابھی تک کمرے سے نہیں نکلیں۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم پریشان سی ہو۔"

سائرہ کے لہجے میں اپنائیت ہی اپنائیت تھی، جو زریم کو سراسر اس کی مکاری محسوس ہوئی۔

"آپ کو میری فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے، اور اگر کبھی ہوئی بھی تو میں آپ کو نہیں بتاؤں گی، کیونکہ میں اپنے پرابلمز خود ہی فیس کرتی ہوں، آپ زیادہ اچھی بننے کی کوشش نہ کریں، اس کوشش سے آپ بے شک پاپا کو متاثر کر سکتی ہیں، مگر مجھے نہیں۔ اب آپ میرے کمرے سے تشریف لے جائیں۔"

اس کے ایک ایک لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے سیل فون کے ساتھ مصروف ہو گئی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اب وہ جا سکتی ہیں۔ واپسی پہ اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ آتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ان کا دل خوش گمانیوں سے بھرا ہوا تھا، مگر جاتے ہوئے یوں لگ رہا تھا کہ وہ اپنا سارا حوصلہ ہار آئی ہیں۔

تیمور صاحب کے سامنے جاتے ہی انہوں نے لبوں پہ مسکراہٹ سجالی۔ وہ اخبار پڑھ رہے تھے۔ چھٹی کے دن ان کی کوشش ہوتی تھی کہ گھر پہ ہی زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں، اگر زریم کا موڈ ہوتا تو وہ سائرہ بیگم زریم کے ساتھ باہر ہی ڈنر کرتے تھے۔ آج بھی ان کا کچھ ایسا ہی پروگرام تھا۔

سائرہ بیگم کے جانے کے بعد زریم بیڈ سے اتر آئی۔ سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کا سراپا واضح تھا۔ واقعی وہ شکل سے ہی پریشان لگ رہی تھی۔

"مجھے کوئی بھی ایسا تاثر نہیں دینا چاہیے جو سب کو میری طرف سے مشکوک کر دے۔" اس نے آئینے میں دیکھتے ہوئے خود کو باور کرایا اور بکھرے بالوں میں برش کیا۔ پھر کپڑے تبدیل کیے۔

مطمئن ہو کر وہ لاؤنج میں آ گئی۔

"اٹھ گئی ہو بیٹا! خیر سے۔" تیمور صاحب خوشدلی سے مسکرائے تو زریم کو بے حد شرمندگی ہوئی۔

"جی پاپا!"

"تو آج باہر ڈنر کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ساتھ آپ کی پسند کی آئس کریم بھی ہو گی۔"

"جو آپ کی مرضی پاپا!" خلاف توقع وہ آرام

مان گئی۔

"آپ دونوں شام کو تیار رہنا!"

"ٹھیک ہے پاپا!" وہ اس وقت بہت فرمانبردار لگ رہی تھی۔

تیمور ملک خوش ہو گئے، کیونکہ وہ بہت کم ان کے ساتھ جاتی تھی، اسی وقت جب سائرہ بھی ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔

نہ تو زریم نے آج تک سائرہ کے بارے میں کبھی کوئی شکایت کی تھی نہ ہی سائرہ نے کبھی کچھ کہا تھا، مگر اس کے باوجود وہ آنکھیں اور کان رکھتے تھے۔ زریم کا سرد جنگ والا رویہ انہیں دکھ دیتا تھا۔ شام کو وہ اپنی پسند کے کپڑے پہن کر تیار بھی ہو گئی تھی۔

وہ خوش نظر آنے کی پوری کوشش کر رہی تھی، مگر اس کے باوجود لگ رہا تھا کہ اس میں کوئی تبدیلی سی آ گئی ہے۔ تیمور ملک کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ خوش ہے اور ان کے ساتھ آ گئی ہے۔



سہ پہر کی کلاس لے کر وہ نکلی تو ملائکہ باہر ہی کھڑی تھی۔

"تم نے کلاس کیوں نہیں لی؟" زریم نے استفسار کیا۔

"بس دل نہیں چاہ رہا تھا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"تمہیں پتا ہے، ایگزامز میں کم وقت رہ گیا ہے۔" زریم نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ارے، پڑھ لوں گی۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

زریم چپ ہو گئی۔

ماہ نور اور ثانیہ دونوں غیر محسوس انداز میں ملائکہ سے دور دور رہنے لگی تھیں۔ جواباً اس نے بھی پروا نہیں کی تھی، اسے کون سا دوستوں کی کمی تھی، پھر زریم تو تھی۔

ارمان نے کہا تھا کہ زریم کے فادر کے پاس کافی دولت ہے، جو ہمارے کام آ سکتی ہے۔ اس نے تو یہ بھی کہا تھا کہ زریم کو بھی اپنے منصوبے میں شریک کرتے ہیں۔ مگر وہ چپ ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ ان دونوں کا ساتھ دے سکے گی، مگر ارمان کی تیمور انکل کی اسٹرونگ پوزیشن والی بات اس کے دل کو لگی تھی۔

انہیں بات کرتے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ارمان بھی ملائکہ کو ڈھونڈتے ان کے ڈپارٹمنٹ چلا آیا۔

"اوہو، تو زریم صاحبہ بھی یہاں ہیں۔" صاف لگ رہا تھا کہ اس کی حیرت مصنوعی ہے۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

ارمان کی موجودگی میں وہ پرسکون نہیں رہ سکتی تھی، جانے کیا بات تھی۔ ادھر وہ ملائکہ کی لاپروائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زریم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سیاہ اسکارف میں لپٹے بال، شانوں پر پڑا دوپٹہ، کالے جوتوں میں مقید پاؤں، سب ہی گویا کسی بھید بھری کہانی کا پتا دیتے تھے۔ اسے بے حجاب حسن پسند تھا، مگر زریم کا کترایا احتیاط بھرا رویہ جانے کیوں اسے کچھ سوچے چلے جانے پہ مجبور کرتا تھا۔

"زریم! آج ارمان کی برتھ ڈے ہے، میرے ساتھ تم بھی انوائیٹڈ ہو۔" ملائکہ بیگ میں ہاتھ ڈالے کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"سوری میں تو نہیں آ سکتی۔"

"کیا مطلب میں نہیں آ سکتی۔ تم ابھی چلو گی ہمارے ساتھ راول ڈیم۔ تھوڑی دیر گھوم پھر کر آ جائیں گے، یونیورسٹی ٹائمنگ میں ہی۔" ملائکہ نے قدرے غصے سے کہا تو پھر اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔

"ڈرائیور ابھی آ جائے گا مجھے لینے۔"

"یار، اس سے پہلے ہی ہم یونیورسٹی واپس آ جائیں گے، بس ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بات ہے۔ ارمان کی ضد ہے کہ راول ڈیم جا کے ہی کیک کاٹے گا اور تم میری بیسٹ فرینڈ ہو، نہیں جاؤ گی ساتھ میرے۔" ملائکہ

نے جذباتی وار کیا تو وہ بادل نخواستہ راضی ہو گئی۔

"چلو ارمان! جلدی کرو۔" ملائکہ نریم کے ساتھ پارکنگ کے لیے مخصوص کی ہوئی جگہ کی طرف چلنے لگی۔

ارمان گاڑی نکال کر لے آیا۔ پھر راول ڈیم پہنچنے تک ملائکہ اور ارمان ہی بولتے رہے' وہ ہوں ہاں کرتی رہی۔

✡ ✡ ✡

ریان دو دن کے لیے اس کے پاس آیا ہوا تھا۔ سلیمان آفس سے فارغ ہو کر سیدھا گھر آ گیا۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی گزشتہ تین دن سے۔ آج بھی فارغ ہوتے ہوتے دس بج چکے تھے۔ گھر پہنچا تو ریان بوریت چہرے پہ سجائے بیٹھا تھا۔

"بڑے بھائی! تجھے نہیں آنا چاہیے تھا ادھر۔"

"ارے کیوں۔"

"اس لیے کہ آپ کی شکل کل سے آج دیکھنے کو ملی ہے۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔

"میں چینج کر لوں' پھر دونوں چلتے ہیں۔ تمہیں لنچ کراؤں گا اور لانگ ڈرائیو پہ جائیں گے' تم بھی تیار ہو جاؤ۔" اسے تیار ہونے کا کہہ کر سلیمان نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

ریان اور وہ دو ہی بھائی تھے۔ ریان کمپیوٹر سائنسز میں ماسٹرز کر رہا تھا۔ سلیمان بہت زندہ دل اور شوخ مزاج تھا۔

یونیورسٹی سے دو دن کی چھٹی تھی تو اس نے سلیمان کی طرف چکر لگانے کا پروگرام بنا لیا۔

ریان سیٹی پہ شوخ سی دھن بجاتے ہوئے تیار ہونے کے بعد پرفیوم لگا رہا تھا۔ خود کو اچھی طرح شیشے میں دیکھنے کے بعد وہ باہر نکلا۔ سلیمان' ولید کو بھی فون کر چکا تھا' اتفاق سے وہ بھی آج فارغ تھا تو اسے بھی اپنے پروگرام میں شریک کر لیا گیا۔ ولید کے آنے کے بعد تینوں اکٹھے نکلے۔

ریان مسلسل بول رہا تھا' ولید بھی اسے ملتے جلتے مزاج کا مالک تھا۔ سلیمان خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"ولید بھائی! آپ ابھی تک کنوارے کیوں ہیں؟"

"ہاہاہا۔" ہنسی کا فوارہ ولید کے لبوں سے پھوٹا۔

"یار میری کوئی نیکی کام آ گئی ہے' اس لیے بچا ہوا ہوں۔ ویسے اپنے بڑے بھائی کی بھی فکر کرو۔ کہ کے ہاتھوں ولید نے مشورہ دے ڈالا۔

"جی مجھے تو بہت فکر ہے۔ راتوں کی نیند بھی اڑ گئی ہے میری تو۔" اس نے چہرے پہ دنیا جہان کی فکر طاری کر لی۔

"وہ کیوں بھئی؟"

"ان کی شادی ہو گی تو میرا نمبر آئے نا" وہ بے چارگی سے بولا تو ولید پھر ہنسنے لگا۔

یہ ساری باتیں آہستہ آواز میں ہو رہی تھیں' ورنہ ریان بڑے بھائی کے ساتھ اتنا فری نہیں تھا' پھر اس کی سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ وہ ایک حد تک ہی بے تکلف ہونے کی اجازت دیتا تھا۔

سلیمان کا ارادہ پہلے "سرینہ" میں لنچ کرنے کا تھا مگر ولید نے کہا پہلے راول ڈیم چلتے ہیں' تھوڑی تفریح کر کے واپس آ جائیں گے۔ ریان بھی اس کا ہم خیال تھا' چنانچہ وہ سیدھے راول ڈیم چلے گئے۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد ڈھلوانی راستہ طے کر کے وہ پانی کے قریب پہنچے۔ ریان بچوں کی طرح خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اچانک سلیمان کے قدم رک گئے۔

"کیا ہوا رک کیوں گئے ہو؟" ولید بھی اس کے ساتھ رک گیا۔ ان لوگوں سے ذرا فاصلے پر دو لڑکیاں اور ایک لڑکا موجود تھے۔

"سلیمان بھائی ان کو دیکھ کر رکے تھے۔"

"کیوں یار پسند آ گئی ہے تو بات کروں؟" ولید شرارت سے بولا۔

اچانک ان میں سے ایک لڑکی اٹھی اور تقریباً بھاگنے والے انداز میں پارکنگ کی طرف چلی گئی۔

"یہ والی فٹ ہے تمہارے بھائی کے لیے۔" ولید

شوخ نگاہوں سے سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس نے بروقت اپنے آپ کو سنبھالا۔

"مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ہمارے ایک کولیگ کی رشتہ دار ہیں۔ تب ہی میں دیکھ رہا تھا کہ شاید بیگ صاحب بھی ساتھ ہوں مگر یہ وہ نہیں ہیں۔" اس نے عام سے انداز میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

✡ ✡ ✡

"ارمان! جلدی نکلو یہاں سے۔" ملائکہ پچھلی سیٹ پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی جہاں نریم بھی موجود تھی۔ پھر یونیورسٹی پہنچنے تک ان میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

ملائکہ' ارمان کو مختصراً بتا چکی تھی۔

"ایزی رہو' کچھ نہیں ہوتا۔" اوپرے دل سے اس نے دونوں کو تسلی دی مگر اندر سے ان دونوں لڑکیوں کی گھبراہٹ دیکھ کر وہ بھی پریشان سا تھا۔

"میں نے کہا بھی تھا کہ میں نہیں جاتی۔ مگر تمہاری ضد مجھے ڈبو دے گی کیسے کھا جانے والی نگاہوں سے وہ دیکھ رہا تھا۔ میں تو ایک نظر ہی اسے دیکھ سکی۔"

"اس کے ساتھ دو اور لڑکے بھی تھے۔" ملائکہ آہستگی سے بولی۔

"وہ ہمیں پہچان چکا ہے تب ہی اتنے غور سے دیکھ رہا تھا۔"

"تو دیکھتا رہے۔ اس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ہم نے اسے اغوا کیا تھا فرض کرو اگر ایسا کچھ ہوتا بھی ہے تو ہم صاف مکر جائیں گے۔ ڈرنے کی کیا بات ہے اس میں۔ کبھی کبھی تم بھی بچوں کی طرح بی ہیو کرنے لگتی ہو۔ نہ کبھی کسی کو شک ہو تو ہو جائے بی بریو یار!" ملائکہ نے اس کا ہاتھ دبایا تو اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی۔

"لائف انجوائے کرو نریم ڈیر! جو ڈر گیا وہ مر گیا۔ میں تو ایسا ہی ایک اور ایڈونچر کرنے کا سوچ رہی ہوں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟"

"میں پوری طرح اپنے حواسوں میں ہوں۔" پہلی بار مزا نہیں آیا خاص' کیونکہ جس کو اتنی محنت اور پلاننگ کے بعد اغوا کیا وہ بھاگ گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ بے چارے کو خوب خوف زدہ کروں گی' ڈراؤں گی اتنا کہ خوف کی شدت سے بے ہوش ہو جائے مگر افسوس تمہاری بزدلی کی وجہ سے ہاتھ آیا شکار نکل گیا۔" وہ اب پوری طرح نارمل ہو گئی تھی اور اسے تاؤ بھی رہی تھی۔

"کچھ بھی ہو ملائکہ! میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

"پلیز صرف ایک بار۔"

"نہیں یار میں نہیں کر سکتی۔ اتنا بہادر نہیں ہوں۔"

"میری خاطر پلیز۔" ملائکہ کا اصرار انتہا کو چھو رہا تھا۔ نریم کا دل نرم پڑنے لگا۔

"اس بار میں اکیلے ہی سب کروں گی بس جب میں سب کر لوں گی تو آ کر دیکھ لینا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" وہ مان گئی تو ملائکہ نے خوشی سے بے قابو ہو کر اسے گلے لگا لیا۔

✡ ✡ ✡

بوٹنگ کے بعد واپسی پر جب وہ وہاں سے گزرا تو اب وہ جگہ خالی تھی جہاں پہلے وہ موجود تھی۔ سلیمان نے اپنے اندرونی اضطراب کو چہرے سے محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔ اگر ریان ساتھ نہ ہوتا تو ساری مصلحت بالائے طاق رکھتے ہوئے ان لڑکیوں سے پوچھ گچھ کرتا۔

اس کی موجودگی میں وہ کوئی ایکشن لیتا تو ساری حقیقت کھل جاتی پھر گھر والوں کو بھی خبر ہو جاتی اور مما کہاں اس خبر کو برداشت کرتیں پہلے ہی بیمار رہتی تھیں۔

"میں چھوڑوں گا نہیں اس معاملے کو۔" اس کا ارادہ مضبوط تھا۔ لنچ کے بعد وہ واپس گھر آئے تو ولید بھی ساتھ ہی تھا۔ ریان کافی بنا کر لے آیا کیونکہ سلیمان

کا باورچی چھٹی پہ تھا۔

"وہ یار! اس عمر میں کیوں اس بے چارے کو تکلیف دیتے ہو۔" ولید کا اشارہ پیالیوں میں کافی انڈیلتے ریان کی طرف تھا۔

"کیا مطلب؟" سلیمان نے بھنویں اچکاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ اب ہمارے لیے ایک بھابھی لے آؤ۔" ولید نے چٹکلہ چھوڑا۔

"جی بھائی جان! میرا بھی بہت دل کرتا ہے۔" ولید کی موجودگی کی وجہ سے ریان بھی شیر ہو گیا۔

"بھائی! مما سے کہوں کہ ایک بھابھی کا انتظام کر دیں؟" سلیمان نے اسے گھورا تو اس نے شکایتی انداز میں ولید کی طرف دیکھا۔

"ولید بھائی آپ کب شادی کریں گے؟" مایوس ہو کر اب وہ ولید سے مخاطب ہوا۔

"جب کسی قسمت کی ماری کا دماغ خراب ہوا اور اس نے تمہارے ولید بھائی کو دیکھ لیا تو اسی دن زلزلہ آئے گا، حشر بپا ہو گا اور وہ بدقسمت ولید بھائی کے آنگن میں اتر آئے گی چڑیل بن کے چھم سے یوں۔" اس نے چٹکی بجائی تو ریان کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔ سلیمان بھی مسکرا رہا تھا۔

"سلیمان بھائی! کم ہی اس طرح مسکراتے ہیں مگر کتنے اچھے لگتے ہیں نا۔" ریان ولید کی طرف جھک کر آہستگی سے بولا تو اس نے بھی تائید کی۔

اتوار کی شام کو ولید کی طرف کھانے کی دعوت تھی۔ ریان وہاں سے آنے کے بعد لاہور واپس چلا گیا۔ سلیمان کا بھی پروگرام تھا گھر جانے کا۔ کیونکہ یہاں آنے کے بعد وہ ابھی تک گھر نہیں گیا تھا۔

مما بھی اسے مس کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

نریم یونیورسٹی سے لوٹی تو تیمور ملک گھر پہ موجود تھے۔ ان کی اس وقت موجودگی خلاف معمول تھی ورنہ وہ ہمیشہ اس وقت فیکٹری میں ہوتے تھے۔

"نریم کھانا کھا کر میرے کمرے میں آؤ۔" ان کا لہجہ اور تاثرات دونوں کسی مشکل صورت حال کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

نریم کی چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کرنے لگی۔ اب بھوک کہاں لگنا تھی اسے۔ اس نے کپڑے بدل کر سیدھا ان کے کمرے کا رخ کیا۔ جہاں وہ شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ سائرہ کمرے میں موجود نہیں تھیں۔

"نریم دروازہ بند کر کے آؤ۔" وہ دروازہ بند کر کے ان کے پاس آئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" نریم ان کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک وہ اسے دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے۔

"آج یونیورسٹی ٹائمنگ میں آپ کس کے ساتھ گاڑی میں جا رہی تھیں۔" وہ بے تاثر انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"پاپا! میں ملائکہ کے ساتھ تھی۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"ملائکہ کے ساتھ اور کون تھا؟"

"پاپا! وہ بھی ہمارا کلاس فیلو ہے۔ اصل میں میرے کچھ نوٹس ملائکہ کی طرف رہ گئے تھے آج وہ اپنی گاڑی نہیں لائی تھی تو اس لیے ہم ارمان کے ساتھ اس کی گاڑی میں گئے تھے۔" جھوٹ بولتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر۔ اور پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"اے ون پاپا۔" اب وہ مطمئن ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

سائرہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی منہ پہ کولڈ کریم لگا رہی تھیں۔

"آج آپ بہت چپ چپ ہیں۔" وہ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد ان کی طرف آئیں تو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟"

"ہوں، تم نے کچھ کہا؟" وہ ہڑبڑا کر ان کی طرف متوجہ ہوئے جو تشویش بھرے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آپ پریشان سے لگ رہے ہیں؟"

"سائرہ! نریم کا یہ آخری تعلیمی سال ہے۔" وہ کہتے کہتے رک گئے جیسے جھجک رہے ہوں۔

"تو پھر کیا ہوا؟"

"سائرہ! مناسب وقت پہ نریم اپنے گھر کی ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"ہاں میں بھی سوچ رہی تھی کہ نریم ایگزام سے فارغ ہو جائے تو کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر اسے رخصت کر دیتے ہیں۔" وہ اس وقت روایتی ماں کی طرح لگ رہی تھیں۔

"اب تک جتنے بھی رشتے آئے ہیں میں ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں ورنہ خاور بھٹی نے بھی اپنے بیٹے کا پرپوزل دیا ہے مجھے۔" انہوں نے اپنے ایک کاروباری دوست کا نام لیا۔

"آپ سے ایک بات کہوں مگر ڈر لگتا ہے کہ شاید آپ کو برا لگے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو سائرہ! کیا اب بھی ہمارے رشتے میں کوئی کمی ہے جو مجھے تمہاری بات بری لگے گی۔"

"ارے نہیں، اصل میں لاہور میں عثمان بھائی ہیں نا وہی خدیجہ آپا کے شوہر۔"

"ہاں ہاں عثمان صاحب سے میری ملاقات ہوتی رہی ہے مختلف موقعوں پر۔" تیمور صاحب کو خوب اچھی طرح یاد تھا۔

سائرہ اپنی سب سے بڑی بہن اور ان کے شوہر کا ذکر کر رہی تھیں۔

"جی جو ایئر فورس میں اسکواڈرن لیڈر تھے ان کے دو ہی بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا تو تعلیم مکمل کر کے بہت اچھی پوسٹ پہ ہے اور چھوٹا شاید ہماری نریم کا ہی ہم عمر ہو پڑھ رہا ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں آپا اور عثمان بھائی سے بات کروں۔۔۔۔ بلکہ یوں کریں پہلے آپ لڑکے سے مل لیں اگر آپ کو پسند ہو تو اس کے بعد میں خدیجہ آپا اور ان کے شوہر سے بات کروں گی۔"

"تھینک یو سو مچ سائرہ! تم نے تو میری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔ تم اللہ کا انعام ہو میرے لیے۔" شدتِ جذبات سے تیمور کی آواز بھرا گئی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ میری بھی بیٹی ہے جتنا آپ اس کے لیے پریشان ہوتے ہیں میں بھی اسی طرح ہوتی ہوں۔ خدیجہ آپا کی ساری فیملی بہت سلجھی ہوئی ہے اور ان کے بیٹے بھی بہت اچھے ہیں۔ اگر نریم مان جاتی ہے تو اچھی بات ہے۔ میرے دل میں یہ بات پہلے سے تھی مگر ڈرتی تھی کہ آپ کو اور نریم کو برا نہ لگے۔" وہ صاف گوئی سے بولیں۔

"سائرہ! نریم کی فکر نہ کرو۔ میں سب جانتا ہوں کہ اس کا رویہ تمہارے ساتھ بہت خراب ہے۔ میرے لاڈ نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ مگر سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں تم سے ریکوسٹ کرتا ہوں کہ پلیز نظر انداز کر دیا کرو ایک دن تمہاری محبت اور خلوص کا احساس ضرور ہو گا اسے۔"

"تیمور! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں پلیز یوں نہ کہیں۔ میں نریم کے مزاج سے واقف ہوں ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"تم بہت اچھی ہو سائرہ!" وہ اسے ممنون نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ سائرہ کے ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھے۔

"نریم! مان جائے گی نا!"

"کیوں نہیں مانے گی یہاں اس کی ضد نہیں چلے گی۔"

ان کا انداز درشت سا تھا۔

"پھر بھی تیمور! سختی سے بات نہیں بنے گی۔ آپ کو پتا ہے نا۔ یہ نہ ہو اور بھی متنفر ہو جائے وہ مجھ سے۔"

"تم ٹینشن نہ لو۔ کبھی کبھی سختی کرنی پڑ جاتی ہے۔ وہ مان جائے گی۔ کسی روز لڑکے کو انوائٹ کر لو تاں تم بتا رہی تھیں کہ وہ اسلام آباد میں ہی ہے آج کل۔"

"جی ہاں۔ خدیجہ آپا سے میری بات ہوئی تھی فون

پہ۔ وہ بتا رہی تھیں کہ سلیمان کی پوسٹنگ یہیں ہوئی ہے۔ میں کل فون کروں گی سلیمان کو پھر کوئی دن رکھ لیں گے۔"

"چلو تم جیسا مناسب سمجھو میں نے یہ معاملہ تمہارے سپرد کر دیا ہے۔" وہ مطمئن سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

اور سائرہ اندر تک شانت ہو گئیں کیونکہ تیمور کا وجود ان کے لیے گھنی چھاؤں سے بھی بڑھ کر تھا۔

☼ ☼ ☼

سائرہ بیگم کی آواز سن کر سلیمان کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ ان سے ملاقات کم کم ہی ہوتی تھی۔ آخری بار سلیمان ان سے اپنے ماموں زاد طلحہ کی شادی پہ ملا تھا۔

"کیسے ہو؟"

"میں تو ٹھیک ہوں۔ آپ نے مجھے کیسے یاد کر لیا۔"

"بس تمہیں یاد دہانی کرانا تھی کہ تمہاری اکلوتی خالہ اسی شہر میں ہوتی ہے۔ اس اتوار کو ہمارے ساتھ لنچ کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔" سائرہ بہت مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"خالہ جان! اس ویک اینڈ کو میں لاہور جاؤں گا مما سے ملنے وہاں سے واپسی پہ کسی بھی دن آپ کی طرف آ جاؤں گا۔ لنچ یا ڈنر کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ گھر سے ہو آؤ پھر جب بھی فری ہو مجھے بتانا پھر میں تیمور کو بھی بتا دوں گی تاکہ گھر پہ رہیں۔ تم سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے، جو آپ کی مرضی۔" سلیمان سعادت مندی سے بولا تو سائرہ خوش ہو گئیں۔

یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ انہوں نے تیمور صاحب کو بھی بتا دیا۔ تو وہ پوری طرح مطمئن ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

آج سلیمان ان کے گھر آ رہا تھا۔ سائرہ خود کچن میں ساجدہ کے ساتھ ڈشز بنوا رہی تھیں۔ سائرہ نے ایک دن پہلے ڈرائنگ روم کے پردے وغیرہ دھلوائے تھے اور سب کچھ صاف کروایا تھا۔ سیٹنگ بدلی گئی تھی۔

نریم سب چہل پہل دیکھ رہی تھی مگر ابھی تک اس نے کسی سے پوچھا نہیں تھا۔ پھر آج تیمور صاحب بھی آفس سے جلدی آ گئے تھے۔ سائرہ کو تو وہ اس قابل سمجھتی ہی نہیں تھی کہ کچھ پوچھے البتہ ان سے پوچھنے میں حرج نہیں تھا۔

"پاپا! کوئی مہمان آ رہے ہیں؟" وہ وقت گزاری کے لیے نیوز چینل دیکھ رہے تھے۔ اس کے سوال پہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"جی بیٹا! مہمان آ رہا ہے۔ آپ کی مما کا بھانجا ہے۔" وہ خوش دلی سے بولے۔

نریم کا رواں رواں جل اٹھا۔ کیونکہ اس کی سگی خالہ تھی ہی نہیں۔ اس کی مما اکلوتی تھیں۔ تو یقینی طور پہ یہ سائرہ بیگم کا رشتہ دار تھا۔ جتنی چڑ اور نفرت اسے سائرہ سے تھی اتنی ہی سائرہ سے وابستہ ایک ایک چیز اور رشتے سے تھی۔

"وہ غصے سے اٹھ آئی اور اپنے کمرے میں آ کر تیار ہونے لگی۔ آناً" فاناً" اس نے فیصلہ کیا تھا ثروت پھوپھو کی طرف جانے کا۔ کیونکہ سائرہ بیگم کو یہ جتلانا بھی مقصود تھا کہ تمہارے رشتہ داروں کی میری نظر میں کیا اوقات ہے۔ پھر تیمور صاحب کے علم میں لائے بغیر وہ ڈرائیور کے ساتھ باہر نکل آئی۔ روشن اسے چھوڑ کر آیا تو انہیں پتا چلا کہ نریم گھر پر نہیں ہے۔

تیمور صاحب نے بمشکل غصہ ضبط کیا تھا اور اس کا موقع بھی نہیں تھا کیونکہ سلیمان آ چکا تھا۔

لمبا چوڑا کرنل سا یہ نوجوان انہیں بہت اچھا لگا تھا۔ دورانِ تعلیم سلیمان ہوسٹل میں رہا تھا۔ اسی لیے تیمور کا اتنا زیادہ ملنا ملانا نہیں تھا۔ اور آج تو وہ اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

ورزشی جسم کا مالک، چمکتی پر تاثر نگاہیں، جاذب نظر سراپے کے مالک اس پرکشش سے نوجوان کو نریم ناپسند کر ہی نہیں سکتی تھی۔ سائرہ نے خاصا اہتمام کیا

ہوا تھا۔ سلیمان کے نہ نہ کرنے کے باوجود تیمور ہر ڈش خود اسے پیش کرتے رہے۔ کھانے کے بعد سلیمان اجازت لے کر نکلا تو سائرہ نے تیمور صاحب سے پوچھا۔

"کیسا لگا آپ کو سلیمان؟"

"بہت اچھا ہے۔ سچ پوچھو تو میں زریم کے لیے ایسے ہی نوجوان کی آرزو کر رہا تھا۔" خوشی ان کے لہجے سے چھلک رہی تھی۔

"کتنا اچھا ہوتا زریم بھی سلیمان سے مل لیتی۔"

"آپ فکر نہ کریں ایسا موقعہ پھر آجائے گا میں آپا سے بات کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں ذرا لان میں واک کر کے آتا ہوں۔" تیمور قصداً ہی باہر رک گئے تھے۔

سائرہ نے بڑے سبھاؤ سے بات کی۔ آج تک انہوں نے اپنے خاندان کے کسی فرد کو اس بات کی ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ زریم کا رویہ ان کے ساتھ بہت برا ہے وہ انہیں دشمن سمجھتی ہے اور دشمنوں کا سا ہی سلوک کرتی ہے۔ انہوں نے اس موضوع کو کبھی نہیں چھیڑا تھا۔

"آپا! زریم پڑھی لکھی ہے آج کل کی لڑکیوں والی فضول شوخی بھی نہیں ہے اس میں۔ پھر کچھ عرصہ پہلے جب میں اسے ساتھ لائی تھی تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا۔ اب تو بڑی ہوگئی ہے۔ خوب صورت ہے۔ سلیمان کے ساتھ جوڑی خوب سجے گی۔"

"ٹھیک ہے میں عثمان سے بات کروں گی جو بھی ہو پھر تمہیں بتاؤں گی ایک دو دن تک۔" خدیجہ آپا کا جواب حوصلہ افزا تھا۔



خدیجہ اور عثمان اسلام آباد آگئے تھے۔ شام کو وہ تیمور صاحب کی طرف آرہے تھے زریم کو دیکھنے۔ سائرہ نے تیمور کو آگاہ کر دیا تھا۔ تیمور صاحب نے ان کی آمد کے بعد زریم کو ڈرائنگ روم میں بلوایا۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ آنے والے مہمان اپنے بیٹے کے لیے دیکھنے آئے ہیں۔

یونیورسٹی سے آتے ہی نیند نے آدبوچا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اٹھی تھی جب پاپا کا پیغام ملا۔ اس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ تیمور صاحب کی نظروں میں وارننگ تھی۔ زریم پہچان گئی تھی کہ یہ سائرہ بیگم کے رشتہ دار ہیں۔ مگر اپنی دلی نفرت اس نے چہرے سے عیاں نہیں ہونے دی تھی۔

خدیجہ اور عثمان کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ انہیں زریم بہت پسند آئی ہے۔ جب ہی تو جاتے وقت خدیجہ نے زریم کے ہاتھ پہ پیسے رکھے تھے اور گلے لگا کر پیار بھی کیا۔ زریم کو دال میں کچھ کالا لگ رہا تھا مگر ابھی تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا تھا ورنہ وہ طوفان کھڑا کر دیتی۔



سلیمان آفس سے آکے یونیفارم تبدیل کر کے خدیجہ اور عثمان صاحب کے پاس آبیٹھا۔ وہ تین سال سے وہ مسلسل بیٹے پہ شادی کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے اور وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتا تھا۔ خدیجہ نے تو صاف طور پر اس بار دھمکی دی تھی اور سلیمان نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"ہمیں تیمور بھائی کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ میں ہاں کر آئی ہوں۔ سوچ رہی ہوں رشتہ داروں کو فون کر کے چھوٹی موٹی رسم کر کے ہی جاؤں بعد میں دھوم دھام سے فنکشن کریں گے۔" وہ سلیمان کی مرضی جاننا چاہ رہی تھی۔

"مما! جو آپ کی مرضی کریں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

اور پھر آناً فاناً سب کچھ ہوا تھا۔ لاہور سے ریان بھی آچکا۔ سلیمان کے دادا جان حیات تھے وہ اور کچھ اس کے ننھیال سے لوگ تھے۔ دو ماموں اور ان کی بیویاں۔ سائرہ نے زریم کی انگوٹھی اور کپڑوں کا ناپ بھی بھجوا دیا تھا۔

ادھر زریم کا برا حال تھا۔ اسے یقین تھا کہ سائرہ بیگم

اسے انتقام لینے کے لیے اپنی بہن کے بیٹے سے بیاہ رہی تھیں وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ ایسا نہ ہونے دے گی۔

سائرہ نے کپڑے اس کے بیڈ پہ رکھے مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ کل سے زریم بالکل چپ تھی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ اور ہوا بھی یہی۔

"زریم! کپڑے پہن کر تیار ہو جاؤ ابھی سب آنے والے ہیں رسم کرنے۔" جونہی وہ باتھ روم سے باہر آئی۔ سائرہ بیگم بیڈ پہ رکھے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارے کپڑے۔ لے کر چلی جاؤ ان سب کو۔" زریم نے کپڑوں کا گولہ سا بنا کر زمین پہ دے مارا۔ غصے کی شدت سے وہ بالکل پاگل ہو رہی تھی۔

اس کی اونچی آواز کمرے کی حدود پار کر کے تیمور صاحب تک بھی پہنچ گئی۔ "میں کسی قیمت پر بھی تمہاری گھٹیا فیملی میں منگنی نہیں کروں گی۔ گھر سے بھاگ ۔۔۔"

چٹاخ چٹاخ پے در پے طمانچوں کی آواز ایک ساتھ ابھری۔ تیمور صاحب اس کا یہ لہجہ و انداز دیکھ کر ضبط کھو بیٹھے تھے۔

"سائرہ اگر یہ سب مجھ سے کہتی تو میں جھوٹ سمجھتا مگر آج میں نے خود دیکھ اور سن لیا ہے' اب صرف منگنی نہیں نکاح ہوگا۔ سن لو تم اور ہاں میں تمہارے انکار کی صورت میں تمہیں قتل کر کے زندہ زمین میں گاڑ سکتا ہوں' یہ منظور ہے مجھے۔" زریم ان کا دھکا لگنے کی وجہ سے زمین پہ گری تھی۔ آنکھوں اور دل طوفان وہیں منجمد ہو گیا تھا گویا۔

اس کے بعد زریم کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ اس نے میکانکی انداز میں سائرہ کے لائے کپڑے پہنے۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ اسی انداز میں سائرہ کے سامنے آبیٹھی۔ میک اپ کروانے۔ طمانچوں کے نشان اس کے دونوں رخساروں پہ ثبت ہو گئے تھے جو گہرے میک اپ کے بعد بھی ظاہر ہو رہے تھے۔

سائرہ نے اس کا حل یہ نکالا کہ دوپٹے کا گھونگھٹ سا بنا کر اس کا چہرہ ڈھانپ دیا۔ اب کوئی دوپٹہ ہٹا کر غور سے دیکھتا تو نظر آتا۔

وہ بالکل خاموش تھی۔ باپ سے تھپڑ کھانے کے بعد گویا وہ کسی طلسم کے اثر آگئی تھی۔ تیمور صاحب کو زریم کے جارحانہ تیوروں سے خوف آنے لگا تھا۔ تب ہی انہوں نے زریم کا نکاح کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس معاملے میں سائرہ ان کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے معقول اور خوب صورت جواز بنایا تھا۔ خدیجہ اور عثمان تو خوش ہو گئے تھے کہ اب پکا کام ہو گیا ہے اور رشتہ مضبوط ہو گیا ہے۔

بڑے آرام سے اس نے نکاح نامے پہ دستخط کر دیے۔ ڈرائنگ روم کی فضا مبارک مبارک کی آواز سے گونجنے لگی۔ نکاح ہو چکا تو سب سے پہلے ریان اٹھ کر زریم کی طرف آیا۔

"میں اپنی بھابھی کو دیکھنے لگا ہوں۔" وہ سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور آہستگی سے زریم کا بھاری آنچل اس طرح چہرے سے اٹھایا کہ اس کے سوا کسی اور کو زریم کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔

"میں زریم کو کمرے میں لے کر جارہی ہوں۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سائرہ اسے اٹھا کر کمرے میں لے گئیں۔

سلیمان دلہن کے نام پہ چونک سا گیا تھا۔ "زریم" یہ نام اس کی یادداشت میں محفوظ تھا۔ اتفاق کی بات ہی تھی کہ جو لڑکی ابھی کچھ دیر پہلے اس کی منکوحہ بنی تھی اس کا نام بھی یہی تھا۔

نکاح کا پروگرام چونکہ اچانک بنا تھا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ منگنی کرتے کرتے نکاح ہو جائے گا۔ کسی نے تصویریں بھی نہیں لی تھیں۔ صرف سائرہ بیگم کی ایک بھابھی نے اپنے سیل فون کے کیمرے سے کچھ تصویریں لی تھی' جس میں زریم گھونگھٹ میں چھپی ہوئی تھی۔

سلیمان کے دل میں اچانک ہی یہ خواہش بیدار ہوئی تھی کہ اپنی منکوحہ کو دیکھے جبکہ سائرہ بیگم اسے

یہاں سے لے جا چکی تھیں۔ اس کی یہ خواہش جائز تھی کیونکہ نکاح جو ہو چکا تھا اب تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

سائرہ دس بارہ منٹ بعد ڈرائنگ روم میں واپس آئیں۔

"زریم کی طبیعت کل سے خراب تھی اور آج بہت تیز بخار بھی ہے اسے۔ میں نے کہہ دیا ہے تھوڑی دیر ریسٹ بھی کر لو۔" سب کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں انہوں نے بتایا۔

"خالہ! آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" تیمور صاحب اپنے سسرالی رشتہ داروں سے بات چیت میں مگن تھے جب سلیمان نے انہیں مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے؟" وہ ٹھٹک سی گئیں۔

"میں نے ابھی تک اپنی منکوحہ کو نہیں دیکھا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک نظر دیکھ لوں۔۔۔"

"ہوں اس میں حرج تو نہیں ہے مگر وہ سو رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں میں اٹھاؤں گا نہیں۔" پہلی بار سلیمان کی لہجے میں شوخی سی محسوس ہوئی۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ۔ اے اللہ میری مدد کرنا۔ بھرم رکھ لینا۔" دل ہی دل میں انہوں نے دعا کی تھی۔

کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا۔ زریم رخ موڑے سو رہی تھی۔ اس نے کپڑے بدلنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی اسی طرح آ کر لیٹ گئی تھی۔

"آؤ۔" سائرہ نے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

زریم کا سارا وجود کمبل میں ملفوف تھا سوائے چہرے کے۔ وہ بھی ایک ایک سائیڈ پہ اس کا ہاتھ تھا اور رخسار کا دوسرا حصہ تکیے کی طرف تھا۔ اگر اسے دیکھنا کہا جا سکتا تو سلیمان نے دیکھ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ناشتا کیے بغیر بیگ اور جرنل اٹھا کر یونیورسٹی جانے کے لیے نکل رہی تھی جب سائرہ بیگم نے پیچھے سے آواز دی۔ زریم گاڑی کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"زریم! ناشتا کر کے جاؤ' تیار ہے۔" سائرہ بیگم اس کے پیچھے ہی آ گئی تھیں۔ جواباً وہ کچھ بھی نہ بولی اور خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔

اس کی یہ خاموشی' زہریلی سرد نگاہیں سائرہ کو اندر ہی اندر توڑ دیتی تھیں۔ اس دن کے بعد سے زریم نے تیمور اور سائرہ کے پاس بیٹھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ نکاح کے بعد پانچ دن تو وہ یونیورسٹی ہی نہیں گئی۔ ثانیہ' ملائکہ اور ماہ نور اس کا پتا کرنے گھر آئی تھیں۔ سائرہ نے ہی یہ غیر متوقع خبر سنائی کہ زریم کا نکاح ہو گیا ہے۔

تینوں اس سے خوب لڑیں۔ وہ خاموشی سے ڈانٹ سنتی رہی۔ سائرہ انہیں بٹھا کر خاطر مدارت کے لیے باہر کچن کی طرف آئیں تو زریم نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ تینوں کو ہی اس کی حرکت سے کسی غیر معمولی واقعے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ مگر زریم تھی کہ کچھ پھوٹ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

"کیا کرتے ہیں موصوف اور کیا بائیو ڈیٹا ہے؟" ثانیہ اس کے چہرے پہ کچھ کھوج رہی تھی۔

"پتا نہیں۔" وہ لاتعلقی سے بولی تو تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

پھر کتنی دیر وہ بیٹھی رہیں مگر زریم خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ "ہوں ہاں" سے زیادہ اس نے کوئی لفظ پھوٹ کر نہ دیا۔

سائرہ نے ہی سلیمان کے بارے میں مختصراً بتایا اور وضاحت کی کہ جلدی کی وجہ سے وہ انہیں انوائٹ نہیں کر سکیں۔

"آنٹی! سلیمان بھائی کی کوئی تصویر ہے کہ ہم دیکھ لیں۔" یہ ماہ نور تھی جس نے ان دونوں کی بھی دلی خواہش کو الفاظ کا روپ دیا۔

"اتنی جلدی میں یہ سب ہوا کہ کوئی موقع ہی نہیں مل سکا۔ سلیمان جب آئے گا تو میں آپ سب کو انوائٹ کروں گی۔ دیکھ لینا اور مل بھی لینا۔" سائرہ نے خوش دلی سے تسلی دی۔

اس کے باوجود بھی ان تینوں کے دل و دماغ میں کتنے سوالات مچل رہے تھے۔ زریم تو گونگے کا گڑ کھائے

بیٹھی تھی۔

"سائرہ آنٹی کتنی نائس ہیں زریم خوامخواہ ہی اتنی نفرت کرتی ہے ان سے۔" واپسی پہ ماہ نور نے ثانیہ سے کہا تو اس نے بھی تائید کی تھی۔

"اور اب بھی وہ سائرہ کو یونہی کھڑا چھوڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

سائرہ نے سر تھام لیا۔ یہ ضدی لڑکی جانے کیا کرتی۔ اس کا یہ رویہ' یہ انداز اس پہ کتنے دن پردہ پڑا رہ سکتا تھا۔ یہاں ابھی یہ حال تھا بعد میں جانے کیا کچھ کرتی۔ "یقیناً" انہوں نے غلطی کی تھی تیمور صاحب کے سامنے خدیجہ آپا کے بیٹوں کا ذکر کر کے۔ اب جو کچھ بھی ہوتا وہ لازماً "قصوروار" ٹھہرائی جاتیں۔

ابھی تک اس نے سلیمان کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"اے اللہ! زریم کو ہدایت دے۔" سائرہ بیگم نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

لید ابھی تک منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ سلیمان کا ملازم چائے سمیت کھانے پینے کے مختلف لوازمات سامنے دھری ٹیبل پہ رکھ گیا تھا مگر اس نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

"تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔" اس نے تیسری بار شکایت کی۔

"مجھے خود وہاں جا کر پتا چلا۔"

"اچھا ٹھیک ہو میں مان لیتا ہوں۔ اب پی سی میں ڈنر کراؤ۔" وہ بالآخر لائن پہ آ ہی گیا۔

"ٹھیک ہے کر لیتا ڈنر بھی۔"

"میں اکیلا نہیں کروں گا۔"

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟"

"تم اور بھابھی بھی ساتھ ہو گے میرے۔"

"یار! یہ شاید مشکل ہے۔"

"کیوں؟" اس کے سوال پہ سلیمان خاموش ہو گیا۔ کتنی عجیب بات تھی۔ اس کا ایک ان دیکھی لڑکی سے نکاح ہو چکا تھا اور اسے ابھی تک اپنی ہی منکوحہ کے بارے میں سوائے نام کے کچھ اور پتا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے میں خالہ اور تیمور انکل سے اجازت لے کر تمہیں بتاؤں گا۔"

"اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔" ولید جز بز ہو کر بولا۔

"اصل میں یار! تیمور انکل کی میری خالہ کے ساتھ دوسری شادی ہے اور زریم انکل کی پہلی بیوی سے ہے۔ ہمارا اتنا آنا جانا نہیں ہے۔ نکاح بھی بہت جلدی میں ہوا ہے۔ تیمور انکل کی طرف سے بھی چند قریبی رشتہ دار شریک ہوئے اور ہماری طرف سے بھی۔۔۔ اور ابھی تک میں نے زریم کو ٹھیک طرح سے دیکھا بھی نہیں ہے۔ تو۔۔۔؟" ولید اس کی ادھوری بات کے جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی کے اس الگ تھلگ سے گوشے میں ملائکہ کے ساتھ بیٹھی زریم کی سسکیاں ابھی بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"اتنی بڑی ٹریجڈی ہو گئی تمہارے ساتھ جیسے تم کوئی گائے بکری ہو۔ اس اکیسویں صدی میں بھی۔" ملائکہ اس کے دکھ میں شریک تھی۔

"تم دیکھنا میں سائرہ بیگم کی پلاننگ کا کیا حشر کرتی ہوں۔ میں اس عورت کی چال کو اچھی طرح پہچان گئی ہوں۔ پہلے اس نے میری مما کی جگہ لی پھر پاپا کو اپنی مٹھی میں کیا اور اب اپنے بھانجے سے نکاح کر کے میرے پاپا کو چاروں خانے چت کر کے کمزور کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے خاندان کے ذریعے مجھ سے انتقام لینا چاہتی ہے کیونکہ میں اس کی جھوٹی محبت اور چاپلوسی میں جو نہیں آئی پھر پاپا کی ساری جائیداد کی مالک بھی میں ہوں۔ وہ مجھ سے یہ جائیداد ہتھیانے کے چکر میں ہے صرف اسی کی وجہ سے پاپا نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔ اسی نے پاپا کو سکھایا ہو گا تب ہی وہ اتنا جلدی یہ سب کرنے پہ تیار ہو گئے۔ ورنہ وہ تو اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے کہ

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ مجھ پہ یوں ہاتھ اٹھائیں گے۔ اتنی بے دردی سے ماریں گے۔" نریم کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھی۔

"جو تمہاری پروا نہیں کرتا تم بھی اس کی پروا نہ کرو اور یوں رو رو کر خود کو کمزور نہ کرو۔ اتنی فالتو نہیں ہو تم مائی ڈیئر!" ملائکہ نے اس کے ہاتھ تھام کر بھرپور انداز میں تسلی دی تو اس کے لبوں پہ تھکی تھکی سی مسکراہٹ آکر دم توڑ گئی۔

"اچھا تم نے سائرہ آنٹی کے بھانجے کو دیکھا ہے؟" ملائکہ نے قصداً" یہ ذکر چھیڑا تھا۔

"نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"ہوں" آنٹی بتا رہی تھیں کہ پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایک اہم پوسٹ پہ ہے۔ پولیس والے تو ویسے بھی بڑے خطرناک ہوتے ہیں ایک نمبر کے کرپٹ اور لوز کیریکٹر۔ حیرت ہے کہ تیمور انکل نے بھی اس رشتے پہ اتنی جلدی ہاں کر دی۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ سائرہ آنٹی نے تم سے انتقام لینے کے لیے اپنے بھانجے کے پلے تمہیں باندھا ہے۔" وہ اس کے شک کو یقین میں بدل رہی تھی۔

"اچھا رخصتی کب تک ہو گی؟" ملائکہ نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔

"ایگزام کے بعد۔" نریم سرد بے حس لہجے میں بولی۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے؟"

مجھے کیا سوچنا ہے۔ اسٹیج تو پہلے ہی تیار کیا جا چکا ہے میرے سوچنے یا نہ سوچنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ پھر سے خود ترسی کی کیفیت کا شکار ہونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

تیمور صاحب جلدی گھر آ گئے تھے۔ فریش ہو کر باہر آئے تو سائرہ چائے لیے بیٹھی تھیں۔

"نریم کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔ سلیمان کا فون آیا تھا وہ نریم کو باہر لے جانا چاہ رہا ہے تھوڑی دیر کے لیے۔ آپ کی اجازت سے۔" انہوں نے پیالی میں چائے انڈیل کر ان کی طرف بڑھائی۔

تیمور صاحب خاموش سے ہو گئے۔ سائرہ کی طرح ان کو بھی بیٹی کے جارحانہ تیوروں سے اندیشہ تھا کہ معاملات میں بگاڑ نہ آجائے۔

"سائرہ! تم سلیمان کو تھوڑا سا سمجھا دو نریم کے بارے میں۔ وہ آرام آرام سے سب سمجھ جائے گی۔ میں اور کیا سختی کروں۔" انہوں نے نگاہیں چرالی تھیں۔

سائرہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں پھر سلیمان سے کیا کہوں؟" انہوں نے تیمور صاحب کے چہرے پہ نگاہیں جما دیں۔

"چلو ٹھیک ہے" لے جائے وہ بے شک نریم کو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے آخر کو وہ نریم کا شوہر ہے مگر....." مگر کے بعد انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس ادھوری بات کا مطلب سائرہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھیں اور انہی کی طرح پریشان تھیں کہ نریم نے کچھ الٹا سیدھا بول دیا اور جواباً" سلیمان برداشت نہ کر سکا اور یہ تعلق جو انہوں نے نریم کی بہتری کے لیے جوڑا ہے ٹوٹ گیا تو؟ کیونکہ نریم سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم تھے۔

چائے پی کر تیمور نریم کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کسی بھی قسم کے رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ ان کا دل کٹ سا گیا وہ کیسے غیروں کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھی۔ وہ بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

"نریم بیٹا! میرے پاس آؤ۔" وہ سرک کر دوسری سائیڈ پہ چلی گئی۔

"ناراض ہو ابھی تک؟"

"جی نہیں۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "میں نے

"آپ کی ضد پوری کردی ہے۔" آپ کو خوش ہونا چاہیے۔" وہ ایک ایک لفظ کو جیسے کچل رہی تھی۔

"نریم! خدا گواہ ہے کہ اس دنیا میں میں نے سب سے زیادہ تمہیں چاہا ہے اور تمہاری بہتری کے لیے ہی تمہارا نکاح سلیمان کے ساتھ کیا ہے۔ وہ اچھا مہذب نوجوان ہے ریفائنڈ قسم کا۔ میں تمہارے لیے سلیمان جیسے ہی لڑکے کی تلاش میں تھا اور میری خوش قسمتی کہ وہ مجھے سائرہ کے خاندان میں ہی مل گیا۔ سائرہ خالہ ہے اس کی اور اچھی طرح جانتی ہے اسے۔ ایک آئیڈیل لڑکا ہے سلیمان ہر لحاظ سے۔ میں نے اپنی طرف سے ایک بہترین فیصلہ کیا ہے اور بہترین شریک حیات چنا ہے تمہارے لیے۔ باقی تم پہ جو میرا ہاتھ اٹھا ہے اس کی تلخی تو جیتے جی میرے دل سے نہیں جاسکے گی نہ میرا پچھتاوا کم ہو گا۔"

وہ بولتے بولتے رک گئے کیونکہ جذبات کی شدت سے ان کا لہجہ بھر آگیا تھا۔ وہ ٹس سے مس بیٹھی رہی جیسے اس کی جگہ وہ دیواروں سے مخاطب ہوں۔

"سلیمان تمہیں باہر لے جانا چاہ رہا ہے۔ تیار ہو جانا اور میری عزت کا بھرم رکھ لینا۔" تیمور کے انداز میں ایک دبی دبی سی التجا تھی جسے محسوس کرکے نریم کے لبوں پہ زہر آلود مسکراہٹ آگئی۔

"خوب! اپنی عزت اور انا کا کتنا خیال ہے اور میں تو جیسے پتھر ہوں۔ جس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا جیسے میرے جذبات ہی نہیں ہیں، میں بے حس تو نہیں ہوں مٹی کی مورت تو نہیں ہوں۔ جس پر آپ کے ستم کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ کیوں سائرہ بیگم نے اپنے خاندان میں مجھے پھنسایا ہے مگر پاپا! آپ کیوں نہیں سمجھتے کیوں اس کی باتوں میں آگئے ہیں۔ میری زندگی عذاب ہو جائے گی مگر کوئی نہیں سمجھتا جو میں محسوس کر رہی ہوں۔" وہ دل میں ان سے شکوہ کناں تھی مگر لب پہ چپ کا قفل تھا۔

"سلیمان اچھا لڑکا ہے۔ ملوگی تو خود ہی اندازہ ہو جائے گا اور جو کسر رہ گئی ہے میں تمہاری شادی میں پوری کردوں گا۔" ان کے الفاظ میں ایک باپ کے ارمان بول رہے تھے مگر بیٹی سمجھ کی حدوں سے ابھی بہت دور تھی۔



اپنی عمر گنوادی پھر بھی
بستی کے سب لوگوں نے
مجھ کو
یا تو پتھر سمجھا
یا پھر موم کی گڑیا!

وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ سائرہ نے سلیمان کا نمبر ایک کاغذ پہ لکھ کر ابھی ابھی اسے دیا تھا۔ ملائکہ نے بھی سلیمان کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کی تجویز تھی کہ تمہارے ساتھ یہ زبردستی ہو ہی چکی ہے تو تم اسے صاف صاف بتادو۔

"مجھے اس کے آفس یا گھر کا پتا ہوتا تو میں خود جاکر سب کچھ کہہ دیتی۔"

ملائکہ جوش سے بولی تو نریم نے بے اختیار اسے گلے لگالیا۔

"تم سائرہ آنٹی سے ایڈریس اور فون نمبر لو ناں میں سارا معاملہ سیٹ کرتی ہوں۔" ملائکہ نے اسے آئیڈیا دیا تھا۔

اور آج نریم نے ہمت کرکے فون نمبر مانگ ہی لیا تھا۔

"شاید نریم کو عقل آگئی ہے۔" سائرہ کے خوش گمان دل نے ہمیشہ کی طرح مثبت ہی سوچا۔

نریم نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھا اس پہ آفس اور گھر کے نمبر کے ساتھ ساتھ موبائل کا نمبر بھی تھا۔

اس نے سب سے پہلے موبائل پر۔۔۔ ڈائل کیا۔

چوتھی بیل پہ کال ریسیو کرلی گئی۔

"السلام علیکم" ایک گمبھیر تا دلکش آواز فون کے راستے اس کی سماعتوں تک پہنچی۔ نریم سے بولا ہی نہیں گیا۔

"ہیلو۔" پھر آواز ابھری تو وہ ہمت کرکے بول ہی پڑی۔

"یہ طوبیٰ کا نمبر ہے۔" اسے بروقت یہ نام سوجھ گیا۔

"جی نہیں۔" ساتھ ہی دوسری طرف سے رابطہ ختم کردیا گیا۔

وہ سیل فون کی اسکرین کو خالی الذہنی کے عالم میں دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ ڈائل کیا تو اس کی کال ریسیو ہی نہیں کی گئی۔ جھنجلا کر اس نے فون بستر پہ اچھال دیا۔

جس کاغذ پہ فون نمبرز لکھے تھے وہ بھی اس نے پرزے پرزے کردیا۔



یونیورسٹی سے واپسی پہ وہ ملائکہ کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔ کافی دن ہوگئے تھے وہ اس کے اپنے گھر نہ آنے کا شکوہ کررہی تھی آج دو کلاسز لینے کے بعد ہی اس کا دل اچاٹ ہوگیا تھا۔ تو ملائکہ نے گھر جانے کی تجویز پیش کی۔

"گپ شپ کریں گے ساتھ کوئی اچھی سی مووی دیکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے آؤ چلتے ہیں میں وہیں سے گھر فون کروں گی کہ روشن مجھے تمہارے ہاں سے پک کر لے۔" وہ مان گئی تھی۔

حسب معمول ملائکہ کی مما گھر پہ نہیں تھیں۔ وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لے گئی اور ملازم سے کچھ کھانے کے لیے لانے کو کہا۔

"پھر ملاقات ہوئی تمہاری اپنے شوہر سے؟" باتوں باتوں میں ملائکہ کو یاد آیا تھا۔

ادھر نریم لفظ "شوہر" پہ سن سی ہوگئی۔ کتنا اجنبی لفظ تھا۔ اس رشتے اس تعلق کو وہ کتنا ہی ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتی مگر ایک حقیقت تھی کہ اب یہ اس کی پہچان تھی۔

"نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے ملنے کا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"نریم ڈیئر! تمہیں شوق ہو یا نہ ہو ملنے کا۔ ایگزامز کے بعد تمہاری اس کے ساتھ رخصتی ہو جائے گی۔" ملائکہ نے آئینہ دکھایا تو وہ چمک کر بولی۔

"کون کروائے گا رخصتی۔"

"تم اور کون؟"

"میں رخصتی نہیں کراؤں گی۔"

"انکار کردو گی؟"

"بس یوں ہی سمجھ لو۔"

"صاف صاف کھل کے کہونا۔"

"تم اگر میرا ساتھ دو تو بات بن سکتی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے لجاجت سے بولی۔ "تم ایک اور ایڈونچر بھی تو کرنا چاہتی ہو۔"

"ہاں وہ تو ہے۔" ملائکہ نے تائید کی۔

"تو مجھے کڈنیپ کرلو نا۔"

"تم ہوش میں ہو۔" ملائکہ حیران رہ گئی۔

"میں سوچ سمجھ کہ کہہ رہی ہوں۔ کیونکہ کسی اغوا کی ہوئی لڑکی کو کوئی بھی اپنی عزت نہیں بناتا۔" وہ یوں بے خوفی سے کہہ رہی تھی جیسے اس کی جگہ کسی اور کا ذکر کر رہا ہو۔

"اگر تیمور انکل کو خبر ہوگئی تو۔۔۔" ملائکہ تیزی سے سوچ رہی تھی۔

"نہیں پتا چلتا یار! پہلے بھی تو کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی۔"

"مگر میں تمہیں کہاں رکھوں گی کیونکہ اب انیکسی خالی نہیں ہے۔"

"کیا اور کوئی جگہ نہیں ہے؟"

"ہے تو سہی مگر شاید تم پسند نہ کرو۔"

"بتاؤ تو سہی۔"

"یار! ارمان کا کوئی دوست ہے اس کا فلیٹ خالی ہے اور چابی ارمان کے پاس ہے۔" ملائکہ نے بتایا تو وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

"رسک لینا پڑے گا۔" پھر آہستہ سے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

ارمان کا چہرا خوشی سے چمک رہا تھا۔ ملائکہ نے ابھی جو کچھ بتایا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"بس چند دن نریم کو ادھر رکھنا پڑے گا۔"

"صرف رکھنا ہی پڑے گا کہ ۔۔۔؟" ارمان نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی وہ ملائکہ کی مرضی بھی جاننا چاہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ایسے مفت میں ہی ہم رسک لے لیں۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔

"نریم کو رکھنے کا تاوان نہیں لیں گے کیا؟ آخر کو وہ موٹی آسامی ہے۔ اکلوتی اولاد ہے اپنے باپ کی۔ لاکھوں روپے آسانی سے مل جائیں گے ہمیں۔"

"مگر نریم شاید اس بات کو پسند نہ کرے اگر ہم نے تاوان کی ڈیمانڈ کی تو۔"

"تو اس کے گھر والوں کو پتا کیسے چلے گا کہ وہ کڈنیپ ہو گئی ہے۔ بھلا کوئی کسی کو کیوں اغوا کرے گا۔ پاگل تو نہیں ہو تم۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔ تاوان بھی مل جائے گا۔"

"یہ ہوئی نہ بات۔" اب وہ خوش نظر آرہا تھا۔

"تو پھر میں نریم سے کیا کہوں؟"

"ایک دو دن تک بتاؤں گا سب انتظام کر کے۔"

ارمان سرمستی کے عالم میں سیٹی پہ شوخ سی دھن بجا رہا تھا۔

"ارمان! تم کب بات کرو گے اپنی مما سے۔"

ملائکہ کو کچھ یاد آگیا تھا۔

"بہت جلد ڈیر ڈونٹ وری۔ تمہاری فرینڈ والا معاملہ ٹھیک ہو جائے تو میں مما پپا کو لے کر آؤں گا جلد ہی۔" ہمیشہ کی طرح ارمان نے یہی کہا تو وہ پھر مطمئن ہو گئی۔

پروگرام کے مطابق نریم کو سب سے پہلے اپنا سیل فون آف کرنا تھا۔ تیمور صاحب کو روشن گھر جا کر بتاتا کہ چھوٹی بی بی یونیورسٹی میں نہیں ہیں۔ تب اس کے سیل فون پہ کال کی جاتی جو پروگرام کے مطابق آف ہوتا۔ کچھ اور وقت گزرتا تو نریم کے پاپا اس کی دوستوں سے پوچھتے ہر ممکن جگہ پر اسے تلاش کیا جاتا جہاں اس کے پائے جانے کے امکانات ہوتے۔ اس دوران اچھا خاصا ٹائم ہو جاتا رات گزر جاتی جو تیمور اور سائرہ یقیناً کانٹوں پر بسر کرتے۔

پھر اگلے روز تیمور کو کال کی جاتی۔ نریم کی آواز سنوائی جاتی اور پھر ایک بھاری رقم کا مطالبہ کیا جاتا۔ رقم کا انتظام کرنے میں کچھ ٹائم تو لگ ہی جاتا شاید ایک دو دن۔ اس کے بعد رقم وصول کرنے کے بعد نریم کو چھوڑ دیا جاتا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ارمان کچھ اور بھی سوچ رہا تھا۔ جو ملائکہ کو پتا نہیں تھا۔ ارمان کو نریم شروع سے ہی پسند تھی مگر جانے کیوں وہ اسے لفٹ نہیں کراتی تھی حالانکہ وہ اپنے ڈپارٹمنٹ سے صرف اسی کو دیکھنے آتا تھا۔ اسی دوران ملائکہ سے بھی اس کی دوستی ہوئی جو نریم کی قریبی دوست تھی۔ تب ہی نریم کے بارے میں اسے بہت سی باتوں کا پتا چلا۔ اس کے گھر اور گھریلو زندگی کے بارے میں جو ڈسٹرب تھی۔

ملائکہ دن بہ دن ارمان کے قریب آتی جا رہی تھی دونوں کی فطرت ایک سی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ملائکہ متاثر نہ ہوتی۔

جب ملائکہ نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ نریم کا نکاح ہو گیا ہے۔ بعد کی کہانی تو اب وہ جان ہی چکا تھا۔ اسے کیا چاہیے تھا۔ اس کے دوست کا فلیٹ خالی تھا چند دن نریم کو باآسانی وہاں رکھا جا سکتا تھا۔ اور اس کی قربت سے فیض بھی اٹھایا جا سکتا تھا۔ ارمان نے سوچ لیا تھا کہ کیسے یہ سب کرنا ہے۔ بس ملائکہ کو فلیٹ سے چند گھنٹے دور رکھنا تھا۔ باقی پورا منصوبہ تیار تھا۔

☼ ☼ ☼

روشن گاڑی اسٹارٹ کیے اسی کے انتظار میں تھا۔ نریم نے بڑی حسرت سے گھر کے در و دیوار کو دیکھا۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ آج بھی اس نے ناشتہ کمرے میں ہی منگوایا تھا۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تو اس کا دل پسلیوں میں پھڑپھڑانے لگا دل و دماغ کی کشمکش جاری تھی۔

یونیورسٹی میں پہنچنے کے دس منٹ بعد ہی ملائکہ نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ پہلے ملائکہ اور ارمان اکٹھے نکلیں گے اور اس کے بعد نریم ٹیکسی میں بتائی گئی مطلوبہ جگہ پہنچے گی تاکہ کسی کو بھی شک نہ ہو۔

نریم کو یونیورسٹی سے نکلنے کے چند منٹ بعد ہی خالی ٹیکسی مل گئی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد ٹیکسی والے نے اسے اس کے بتائے ہوئے گھر کے سامنے اتار دیا۔ کرایہ دے کر ٹیکسی والے کو فارغ کر کے نریم نے ملائکہ کو فون کر کے اپنے پہنچنے کی اطلاع دی تو اس نے خاموشی سے فلیٹ نمبر بتا کر اوپر آنے کو کہا۔

چند لمحے بعد ارمان نے دروازہ کھولا۔ "ملائکہ کہاں ہے؟" اسے نہ پا کر پہلا سوال اس کے لبوں پہ آیا۔

"تھوڑی دیر کے لیے گھر گئی ہے ابھی آتی ہوگی۔" وہ لاپروائی سے بولا تو نریم کی چھٹی حس نے گویا خطرے کی گھنٹی بجائی۔

"بیٹھو میں کافی بنا کر لاتا ہوں۔" ارمان مطمئن تھا۔ ابھی بہت وقت تھا اپنے دل کے ارمان پورے کرنے کے لیے۔ مگر نریم مطمئن نہیں تھی۔

جونہی وہ کچن میں گیا۔ نریم داخلی دروازے پہ پہنچ گئی۔ دروازے میں چابی لگی ہوئی تھی وہ کھول کر باہر نکل آئی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آگئی اور موبائل آن کر لیا جو یونیورسٹی پہنچنے کے بعد اس نے آف کر دیا تھا۔ دل کو سکون نہیں مل رہا تھا۔ مگر موبائل کچھ دیر بعد آف ہو گیا کیونکہ اس نے کل سے اسے ری چارج نہیں کیا تھا۔ پاس سے ایک رکشہ گزر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ دے کر روکا اور گھر کا پتا سمجھانے کے بعد بیٹھ گئی۔ ایسا اس نے کیوں کیا تھا وہ خود بھی جاننے سے قاصر تھی۔

رکشہ والا اسے گھر کے سامنے اتار کر چلا گیا۔ جونہی وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی کریم بخش سے سامنا ہوا جس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں پاس ہی ساجدہ بھی کھڑی تھی۔ پورٹیکو میں کوئی بھی گاڑی نظر نہیں آرہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" اس کا مخاطب کریم بخش تھا۔

"بی بی جی! صاحب کی طبیعت اچانک صبح آفس جاتے ہی بگڑ گئی۔ بیگم صاحبہ نے آپ کے نمبر پر بار بار فون کیا مگر آپ کا نمبر بند تھا۔ پھر بیگم صاحب نے سلیمان صاحب کو فون کیا وہ آئے اور صاحب کو اسپتال لے گئے۔"

"کیا ہوا پاپا کو؟" کریم بخش بتا ہی رہا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

"پتا نہیں مگر ان کی حالت بہت خراب تھی اپنا سینہ مسل رہے تھے۔" یہ ساجدہ تھی۔

"کون سے اسپتال میں پاپا کو لے کر گئے ہیں؟" آنسو بے اختیار آنکھوں سے ابل پڑے تھے۔

"پتا نہیں چھوٹی بی بی! آپ فون کر کے پوچھ لیں۔" ساجدہ نے مشورہ دیا۔ جلدی جلدی اس نے سائرہ کا نمبر ڈائل کیا اور اسپتال کا پتا معلوم کیا۔

نریم انہی قدموں گیٹ سے باہر نکلی۔ کریم بخش اس کے ساتھ تھا۔

☼ ☼ ☼

تیز تیز قدموں سے چلتی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ استقبالیہ پہ بیٹھی نرس سے اس نے تیمور ملک کے بارے میں معلوم کیا اور پھر بتائے گئے وارڈ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ آئی سی یو میں تھے۔ کریم بخش بھی اس کے ساتھ ہی چل رہا تھا۔

یہ شہر کا ایک معیاری اور مہنگا پرائیویٹ اسپتال تھا۔ روم نمبر 27 کے باہر سائرہ اور ثروت پھوپھو دور سے ہی نظر آگئیں۔ سائرہ بیگم کی سرخ آنکھیں اس بات کا غماز تھیں کہ وہ روتی رہی ہیں۔ ثروت پھوپھو بھی از حد پریشان تھیں۔

"کیا ہوا ہے پاپا کو؟" وہ دوڑ کر ان کے پاس پہنچی تھی۔

"ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" ثروت کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"اب ٹھیک ہیں تیمور پہلے سے۔" آنکھیں پونچھ کر سائرہ بیگم نے اسے تسلی دی۔ مگر نریم کو چین کہاں تھا۔

"اب کہاں ہیں پاپا؟"

"اندر ہیں فی الحال انہیں دیکھنے اور ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کی صحت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے۔"

شام ہوگئی، رات سر پہ آگئی مگر وہ ابھی تک باپ کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ پائی تھی۔

سائرہ نے سمجھا بجھا کر ثروت کے ساتھ نریم کو گھر بھیج دیا۔

سلیمان صبح سے بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ تیمور صاحب کے باقی رشتہ دار دوسرے شہروں میں مقیم تھے ایسے میں سلیمان کا دم غنیمت تھا۔ ڈاکٹر عثمانی سے تیمور صاحب کی طبیعت کا پوچھ کر وہ سائرہ بیگم کی طرف آیا جو اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

"خالہ! آئیں آپ کو گھر چھوڑ آؤں انکل رات کو بھی آئی سی یو میں ہی رہیں گے۔ کل ہو سکتا ہے کہ روم میں شفٹ کردیں۔ ایسے میں آپ کا یہاں رکنا بے کار ہے۔ میں نے ولید کو بھی فون کردیا ہے وہ آجائے گا کچھ دیر تک۔ میں اور وہ ادھر ہی ہوں گے اسپتال میں۔ مما کا بھی فون آیا تھا پاپا کے ساتھ کل آرہی ہیں۔" سلیمان نے ان کے شانے پر اپنا بازو دراز کر کے خود سے قریب کرلیا۔

وہ ایک بیٹے کی طرح تسلی دے رہا تھا۔ سائرہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے سلیمان کو ان کی نظر ہی لگ جائے گی۔ انہوں نے دل ہی دل میں اسے نظر بد سے بچنے کی دعا پورے خلوص سے دی۔

"میں آپ کو ڈراپ کر آتا ہوں۔" ولید اسپتال پہنچا تو سلیمان انہیں گھر چھوڑنے چلا گیا اور گیٹ سے ہی واپس ہولیا۔



دوسرا روز بھی گزر گیا۔ تیمور صاحب کی حالت ویسی ہی تھی۔ جسم کے بائیں حصے پہ فالج کے اٹیک نے ان کی حالت کو سیریس بنادیا تھا۔

خدیجہ اور عثمان صاحب بھی لاہور سے آگئے تھے۔ روتی سسکتی نریم کو خدیجہ نے ساتھ لگا کر تسلی دی تو شاید پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ سائرہ کے کسی رشتہ دار کے لیے اس کے دل میں نفرت نہیں ابھری۔

اسے اعتراف کرنا پڑا کہ سائرہ بیگم کی بہن اتنی بھی بری نہیں ہیں۔ تیسرے روز تیمور صاحب کو روم میں شفٹ کردیا گیا۔ ان کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ اب سب گھر والوں کو تیمور سے ملنے کی اجازت تھی۔

سائرہ بیگم اور ثروت پھوپھو کے ساتھ نریم بھی روم میں داخل ہوئی جس میں تیمور کو کچھ دیر پہلے شفٹ کیا گیا تھا۔ سلیمان ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"پاپا! آپ ٹھیک ہیں ناں۔" وہ بے تابی سے کہتے ہوئے بیڈ پہ لیٹے تیمور صاحب پہ جھک گئی اور ان کے ماتھے پہ اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

آنکھ میں آئے آنسوؤں کو اس نے بمشکل ضبط کیا۔

تیمور صاحب دواؤں اور انجکشن کی وجہ سے غنودگی میں تھے۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ سلیمان نے آہستگی سے اس کا بازو پکڑ کر تیمور انکل کے بینے سے اسے پرے کیا۔

"پلیز ٹیک اٹ ایزی۔" وہ غصے سے پلٹی اور جب اس پہ نظر پڑی تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لب کھل گئے کچھ بے معنی سے الفاظ بھی لبوں کی گرفت سے آزاد ہوگئے۔

اس چہرے کو وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس اثناء میں سائرہ بیگم بھی بیڈ کے قریب پہنچ گئی تھیں۔

"سلیمان! کیسی طبیعت ہے اب ان کی۔" سائرہ بیگم نے پوچھا۔ نریم کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

صد شکر کہ سب تیمور صاحب کی طرف متوجہ تھے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ مگر یہ صرف اس کی غلط فہمی تھی۔ جس نے دیکھنا تھا دیکھ لیا تھا اور اچھی طرح دیکھا تھا۔ طویل راہداری کے آخری سرے تک اکا دکا لوگ ہی نظر آرہے تھے۔ نریم دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ سو فی صد وہی تھا بالکل وہی۔ جس کی آنکھوں پہ اس نے اپنے ہاتھوں سے کپڑا باندھا تھا اور جس نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ لوہے کے ڈھکن جیسا مضبوط ہاتھ۔ تو یہ تھا سلیمان۔

"اگر اس نے مجھے پہچان لیا اور پاپا کو پتا چل گیا تو؟" پہلے ہی ان کی طبیعت خراب ہے یہ سن کر تو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

اور آج جو حماقت میں کرنے چلی تھی۔ اف اگر میں اس وقت اس فلیٹ میں ہوتی تو۔" اسے آگے کی سوچ نے اسے لرزا دیا۔

باہر کھڑے کھڑے اسے پندرہ منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اگر وہ اسی طرح باہر رہتی تو جانے کیا سوچا جاتا۔ سو دل کو مضبوط کرتی اللہ سے مدد مانگتی وہ دوبارہ اندر آگئی۔

تیمور صاحب اسی طرح غنودگی میں تھے۔ سلیمان خدیجہ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

"نریم بیٹا! میرے پاس آکر بیٹھو۔" اسے دروازے کے پاس پریشان سا کھڑا دیکھ کر خدیجہ نے اپنے پاس بلا لیا۔

کوئی راہ فرار نہ تھی۔

وہ مرے مرے قدموں سے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"تیمور بھائی ٹھیک ہو جائیں گے تم دعا کرو ان کے لیے اور پریشان نہ ہو۔" وہ کیسے پریشان نہ ہوتی اس کی پریشانی کے سامنے خدیجہ کے الفاظ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

وہ چپ چپ سی تھی۔ خدیجہ درمیان سے اٹھیں تو سلیمان نے بھرپور نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ ابھی تک اس کے کسی بھی رویے سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ اسے پہچان گیا ہے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ نہ پہچانتا۔ اگر وہ اسے پہچان گیا ہے تو اظہار کیوں نہیں کر رہا ہے۔

جانے کیا گورکھ دھندا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"ٹھیک ہے پہچانتا ہے تو پہچان جائے میں صاف مکر جاؤں گی ایسی کسی بات پہ۔" نریم نے اپنی ازلی ہٹ دھری سے سوچا اور مطمئن ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

تیمور صاحب کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی ڈاکٹرز کی بھرپور توجہ اور بہترین علاج کے ساتھ سائرہ جیسی شریک حیات کی محبت نے بھی ان کی طبیعت کے سنبھلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

ایک ماہ سے زیادہ وہ اسپتال میں رہے تھے۔ اب ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کا کہا تھا ان کے جسم کا بائیں حصہ فی الحال پوری طرح کام کرنے کے قابل نہیں رہا تھا نہ خود سے حرکت دے سکتے تھے فالج کا اثر زبان پر بھی ہوا تھا۔ وہ جو کچھ کہتے تھے پوری طرح نریم کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اس دوران اس نے یونیورسٹی سے بہت زیادہ چھٹیاں کی تھیں۔ جانے کیا بات تھی اسے ارمان اور ملائکہ کا سامنا کرنے سے خوف آنے لگا تھا۔ وہ اس دوران تین چار بار ہی یونیورسٹی گئی اس دوران ارمان کی تو شکل ہی نظر نہیں آئی ملائکہ کے بارے میں پتا چلا وہ فیملی کے ساتھ کراچی گئی ہے۔

اس نے شکر ادا کیا۔ ملائکہ تو پھر بھی اس کی دوست

تھی مگر ارمان کا خوف دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ حیرت کی بات تھی اس ایک مہینے میں ایک بار بھی ملائکہ نے اسے رابطہ نہیں کیا تھا۔ رہی نریم تو اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ فون کرتی یا اس کے گھر جاتی۔

آج کل یونیورسٹی بند تھی اگلے مہینے سے اگزامز ہونے تھے۔ اس سے تو پڑھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ادھر سائرہ بیگم کی طبیعت بھی خراب تھی۔ تیمور صاحب کے اسپتال ایڈمٹ ہونے سے پہلے ہی ان کی طبیعت گری گری رہنے لگی تھی۔ پھر پورا ماہ تیمور صاحب ایڈمٹ رہے تو وقتی طور پر انہیں اپنا آپ بھول ہی گیا۔

تیمور صاحب کو گھر آئے پانچواں روز تھا۔ ایک کل وقتی میل نرس ہر وقت ان کے پاس رہتا تھا۔ باقی ہر قسم کی ضرورت کا خیال سائرہ خود ہی رکھتی تھیں۔

دوپہر کا وقت تھا وہ خود ساجدہ کے ساتھ کچن میں موجود تھیں اور تیمور صاحب کے لیے سوپ بنا رہی تھیں جب سوپ بنا کر وہ شیشے کے باؤل میں ڈالنے لگیں تو بڑے زور کا چکر آیا سائرہ وہیں ڈھیر ہو گئیں۔ ساجدہ نے شور مچا دیا۔ نریم کے ساتھ باقی ملازم بھی بھاگے آئے۔ سائرہ بڑی مشکل سے چل کر بیڈ تک گئیں۔

نریم زندگی میں پہلی بار ان کے لیے پریشان ہوئی۔ اس نے فیملی ڈاکٹر کو فون کر دیا۔

ڈاکٹر سجاد جب اپنا میڈیکل بیگ لے کر گاڑی سے اترے تو سائرہ بیگم نڈھال سے انداز سے لیٹی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر سجاد نے چیک اپ کیا۔

"فکر کی بات نہیں ہے مسز تیمور! اچھی طرح کھائیں پئیں اور ہو سکے تو آج ہی کلینک پہ آکر ٹیسٹ کروالیں۔" وہ دواؤں والا نسخہ ان کے حوالے کر کے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر نائلہ نے رپورٹ ان کے سامنے رکھ دی۔

لفظ پوزیٹو ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ آج شادی کے چودہ سال بعد یوں لگ رہا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی جرم کر دیا ہے۔

رات کو سائرہ بیگم نے خود فون کر کے خدیجہ کو اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

"کیسی ناشکری ہو تم۔ اللہ نے اتنی بڑی خوشی سے نوازا ہے اور تم ہو کہ ناشکری اور کفران نعمت کر رہی ہو۔ شکرانے کے نوافل پڑھو۔ میں ایک دو دن تک اسلام آباد آؤں گی سوچ رہی ہوں کہ نریم کی چوڑی اور انگوٹھی کا ناپ لے لوں۔ تم اپنا خیال رکھو تیمور کو دیکھو اس کے سامنے یوں ری ایکٹ کرو گی تو کیا بنے گا اس کا؟ سر کا سائیں ہے وہ تمہارا۔ ابھی تک بتایا ہے اسے کہ نہیں؟" خدیجہ کو بروقت یاد آیا تو پوچھ بیٹھیں۔

"نہیں آپا!" وہ مجرموں کی طرح بولیں تو خدیجہ اس کی حماقت پہ سر پیٹ کر رہ گئیں۔

"جاؤ بتاؤ اسے۔ خوش ہو گا وہ۔ شاید یہ خوشی اس کی بیماری پہ مثبت اثر ڈالے۔ اللہ نے بڑا رحم کیا ہے تم پہ اور تم ہو کہ۔" انہوں نے ان کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی۔

فون بند کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ نریم باپ کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے آہستہ آہستہ آواز میں ان سے بات کر رہی تھی۔

"پاپا! آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے پھر ہم ایک بڑی پارٹی کریں گے اور ہاں میں آپ کو لانگ ڈرائیو پہ بھی لے جاؤں گی۔" ان کے ہونٹوں پہ ایک روشن مسکراہٹ چمکی انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا سر نیچے کیا اور اس کا ماتھا چوما۔

"پاپا! آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں!" نریم نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ "پاپا آئی لو یو سو مچ رئیلی۔" جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی۔

"خوب لاڈ ہو رہے ہیں باپ بیٹی میں۔" سائرہ بیگم بھی دوسری چیئر اٹھا کر پاس بیٹھ گئیں۔

تیمور صاحب اب واضح جملے بولنے لگے تھے۔ دن

یہ دن ان کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ وہ سائرہ اور زریم کو یوں پاس پاس بیٹھا دیکھ کر بہت خوش تھے آج زریم سائرہ کی موجودگی پہ وہاں سے ہٹی نہیں تھی۔

زریم لطیفے سنا رہی تھی۔ یونیورسٹی میں ہونے والے دلچسپ واقعات جن پہ وہ مسکرا رہے تھے۔ کافی ٹائم ہو چکا تھا زریم ان کے ماتھے پہ پیار کر کے گڈ نائٹ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھی تب سائرہ نے انہیں جھجکتے ہوئے بتایا۔

خوشی کی شدت سے تیمور کے لب پھڑپھڑائے اور آنکھیں نم ہو گئیں۔



خدیجہ ریان کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ زریم کا ارادہ تھا وہ سلام کر کے اپنے کمرے میں آجائے گی مگر ریان نے اٹھنے ہی نہیں دیا۔ وہ اتنا ہنسوڑ اور زندہ دل تھا کہ زریم کے دل سے وہ کدورت کم ہونے لگی تھی جو سائرہ بیگم کے رشتہ داروں کے حوالے سے اس کے دل میں برسوں سے تھی۔

ریان کو زریم بہت زیادہ اچھی لگی تھی۔ اس نے زریم کا فون نمبر بھی لے لیا تھا۔

"میں لاہور جا کر فون کرتا رہوں گا تاکہ آپ کو میری کمی کا احساس نہ ہو۔" وہ یوں بول رہا تھا جیسے برسوں سے اسے جانتا ہو۔

"ویسے سلیمان بھائی آپ کو کیسے لگے؟" اس نے مائرہ اور خدیجہ کے سامنے ڈائریکٹ سوال کر دیا تو وہ روس ہو گئی۔ اسے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا۔

"ریان! بہن کو تنگ نہ کرو۔ انسان بنو۔" انہوں نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بہن بھی کہتی ہیں مما اور اوپر سے یہ بھی کہتی ہیں کہ تنگ نہ کروں یہ کیسے ممکن ہے۔"

"ریان چپ ہوتے ہو کہ نہیں۔"

"مما ٹیک اٹ ایزی۔ میں انکل کے پاس جا رہا ہوں۔" وہ مما کے تیور دیکھ کر کھسک گیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری سائرہ۔" ریان کے جانے کے بعد وہ بہن کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"میڈیسن لے رہی ہوں باقاعدگی سے۔"

"زیادہ سے زیادہ ریسٹ کیا کرو۔ اس حالت میں خوش رہا کرو میں ایک بچے کی پینٹنگ بھی لائی ہوں اپنے بیڈ روم میں لگا لینا اچھا رہے گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں صحت مند اولاد سے نوازے۔" زریم باری باری دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"زریم کو بھی کوئی بہن یا بھائی مل جائے گا۔ اچھا ہے ناں اکیلی نہیں رہے گی۔ کوئی دکھ درد بانٹنے والا اپنا بہن بھائی بھی تو ہونا چاہیے۔" اب ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

پاپا کی بیماری کی وجہ سے سائرہ بیگم کے لیے جو نرمی مصلحت کے پیش نظر اس کے دل میں آئی تھی اب اچانک ختم ہو گئی۔ اب وہ وہی پرانی زریم تھی نفرت اور سرد مہری سے بھری۔

اپنے کمرے میں آکر وہ غصے سے ٹہل رہی تھی۔

"اس عمر میں سائرہ بیگم کو ماں بننے کا خیال آیا ہے ذرا شرم نہیں آئی اس عورت کو۔ سب جان گئی ہوں میں کہ یہ پاپا کی جائیداد ہتھیانے کا منصوبہ ہے۔" ہمیشہ کی طرح وہ الٹا ہی سوچ رہی تھی۔

جاتے جاتے خدیجہ نے زریم کو سائرہ بیگم کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ وہ موقعہ کا انتظار کر رہی تھی۔ ان پاپا کو چیک اپ کے لیے جانا تھا کیونکہ سلیمان بھی آیا ہوا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی اس کا خیال تھا یقیناً وہ چلے گئے ہیں۔

لیونگ روم کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے سائرہ کی جھلک نظر آئی تو سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے دروازے کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر کھولا۔ سائرہ چونک کر پلٹیں۔

"بہت خوب سائرہ بیگم! اب یہ نیا طریقہ ڈھونڈا ہے تم نے مجھے ہرانے کا۔ مگر یاد رکھنا مجھے تم سے اور تمہارے ہونے والے بچے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس عمر میں ماں بنو گی۔ شرم آنی چاہیے تمہیں۔ میں کیوں خیال رکھوں تمہارا۔ جاؤ پاپا کو یہ نخرے دکھاؤ میں

متاثر ہونے والی نہیں ہوں۔ مائی فٹ۔" انہی قدموں وہ اپنا سارا زہر ان پر انڈیل کے تن فن کرتی چلی گئی۔

سائرہ کی آنکھوں میں نمکین پانی بھر گیا۔ کھڑکی کے ساتھ والے صوفے پہ بیٹھا سلیمان ایک ایک لفظ سن چکا تھا۔ اور سب سن کر اس نے اپنا غصہ کیسے ضبط کیا تھا یہ وہی جانتا تھا۔

زریم آگے نہیں آئی تھی ورنہ ضرور اسے دیکھ لیتی۔

"خالہ! چپ ہو جائیں پلیز۔" سلیمان انہیں زارو قطار روتا دیکھ کر بہت پریشان تھا۔

غصے سے لال ہوتی آنکھیں اس کے ضبط کی دلیل تھیں وہ سلیمان کے کندھے پہ سر رکھ کر رو پڑیں۔ کتنے سالوں کے دبے دکھ تھے۔ سلیمان نے انہیں کھل کر رونے دیا تھا۔



اگزامز شروع ہو چکے تھے۔ پہلے پیپر والے دن ملائکہ نے اسے پکڑ ہی لیا اور کتنی دیر اسے تیز نظروں سے گھورتی رہی۔

"بہت اچھا کیا تم نے میرے ساتھ اور وہ ارمان۔ اس نے طعنے دے دے کر میرا برا حال کر دیا ہے کہ دیکھو تمہاری بیسٹ فرینڈ نے کیسا ہاتھ دکھایا ہے تمہیں۔ کیوں غائب ہوئی تھیں تم وہاں سے اس دن۔"

تابڑتوڑ سوالات سے وہ گھبرا گئی۔

"ملائکہ! پاپا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ تم نے کون سا ایک روز بھی مجھ سے پوچھا کہ زندہ ہو کہ مر گئی میں، بہت پریشان ہوں۔ تم اس روز فلیٹ میں نہیں تھیں تو میرے دل نے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ پتا نہیں کیوں مجھے ارمان کی نگاہیں بہت بری لگتی ہیں۔ بس تھا کچھ کہ میں نکل آئی وہاں سے تمہیں بتائے بغیر۔" زریم پہلے کے مقابلے میں بہت کمزور لگ رہی تھی۔

"ارمان نے بعد میں مجھ پہ بہت غصہ کیا میری اس کے ساتھ اس وجہ سے لڑائی بھی ہوئی۔ میں جیسے ہی فلیٹ پہ پہنچی اس نے کہا کہ میں یونیورسٹی واپس چلی جاؤں تاکہ تم شک نہ ہو کسی کو۔ اس لیے میں چلی گئی تھی۔ اب کب ارادہ ہے کڈنپ ہونے کا؟" آخر میں وہ شوخی سے بولی تو زریم کو بہت برا لگا۔ "اس نے ایک بار بھی پاپا کی طبیعت کا نہیں پوچھا تھا۔

"اب میرا کوئی ارادہ نہیں ہے ایسا کیونکہ اگزامز کے بعد میری شادی ہے۔" زریم ایک لمحے میں صدیوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"میرا نکاح اسی لڑکے کے ساتھ ہوا ہے جس کو تم نے ایڈونچر اور فن کا نام دیا تھا۔"

"سچ کہہ رہی ہو۔" ملائکہ کو یقین نہیں آرہا تھا۔ "اس نے پہچان لیا ہے تمہیں؟"

"بظاہر ایسا لگتا تو نہیں ہے۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ کل کو ہمارے لیے پرابلم کری ایٹ ہو سکتی ہے۔" ملائکہ پریشان ہو گئی تھی۔ "تم اسے بتاؤ گی تو نہیں؟" اس نے احمقانہ سوال کیا۔

"میں نے بتا کر پھنسنا نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا ہو گا۔ اس نے مجھے نہیں پہچانا ہے ورنہ خاموش نہ رہتا اور میں کیوں ڈروں ایسا کیا کیا ہے میں نے۔" آخر میں وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"ملائکہ! پاپا کی طبیعت بہت خراب ہے میں نے اس روز دل کا کہنا مانا تھا اور وہاں سے نکل آئی تھی۔ اسی روز صبح کے وقت پاپا کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا کیونکہ سیل فون میں نے آف کر دیا تھا۔ تم اگر فلیٹ پہ ہوتیں تو شاید میں وہاں سے نہ آتی۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ تم وہاں نہیں تھیں۔ تمہیں برا لگے گا مگر میں اپنی فیلنگز تم سے شیئر کرنا چاہوں گی ارمان کے بارے میں کہ اس کی نگاہوں میں وفا نہیں ہے وہ جب بھی میری طرف دیکھتا ہے یوں لگتا ہے کہ۔۔۔" اس نے بولتے بولتے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ "ملائکہ کبھی تم نے لوگوں کی باتیں سنی ہیں جو وہ ارمان کے بارے میں کہتے ہیں۔ میری مانو تو اس سے فرینڈ شپ ختم کر دو۔ وہ مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے۔ یہ نہ

ہو تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ پہلی بار ہم نے تفریح کی خاطر سب کیا تھا۔ ہماری نیت یکی تھی نال اس لیے ہمیں نقصان نہیں پہنچا ورنہ سوچو ہم سے کچھ الٹا سیدھا ہو جاتا تو ۔۔۔۔ تم اریان کی بات ماننا چھوڑ دو۔"

زریم کو روشن لینے آچکا تھا سو وہ اسے وہیں سوچتا چھوڑ کر چلی آئی۔ اسے ملائکہ اور اریان سے ڈر لگنے لگا تھا۔ ماہ نور اور ثانیہ کے یکدم پیچھے ہٹنے کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی تھی۔ ملائکہ انہیں بزدل کہتی تھی مگر زریم کا خیال اب بدل چکا تھا۔

"لڑکیوں کو ذرا سا بزدل ضرور ہونا چاہیے ورنہ اکثر خسارہ ان کا نصیب بن جاتا ہے۔" پچھلی سیٹ پہ نیم دراز زریم سوچتے ہوئے غائب دماغی سے باہر دوڑتے بھاگتے مناظر دیکھ رہی تھی۔



ابھی زریم کے اگزامز ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ گھر میں شادی کی تیاری شروع ہو گئی۔ تیمور صاحب اسٹک کے سہارے چند قدم اٹھانے کے قابل ہو گئے تھے۔ وہ جلد از جلد زریم کو دولہن بنا دیکھنا چاہتے تھے۔

سلیمان نے سختی سے منع کیا تھا کہ جہیز کے نام پہ وہ کچھ نہیں لے گا۔ اس معاملے پہ وہ کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس لیے طے ہوا تھا کہ صرف زریم کے کپڑے اور دیگر چھوٹی موٹی چیزیں لی جائیں۔

زریم بے دلی سے پیپرز دے رہی تھی۔ تیمور صاحب بہت خوش تھے۔ بڑے شوق سے زریم کے لیے کی جانے والی شاپنگ دیکھتے۔ البتہ زریم کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ سائرہ بیگم کو اس کا موجودہ رویہ پھر ڈرانے لگا تھا۔

جس دن اس کا آخری پیپر تھا اس کے اگلے دن میلاد کے بعد زریم کو مایوں بٹھا دیا گیا۔

روایتی پیلے کپڑوں میں ملبوس زریم اداس اداس سی نظر آنے کے باوجود بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ثانیہ اور ماہ نور کے ساتھ ساتھ ان کی فیملی بھی انوائٹ تھی۔ مگر ملائکہ نہیں آئی۔ حالانکہ سائرہ بیگم طبیعت کی خرابی اور مصروفیت کے باوجود زریم کی دوستوں کے گھر خود گئی تھیں۔

مہندی والے دن کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ زریم کی طرف سے سب سلیمان کے آئے ہوئے تھے مہندی کی رسم کرنے۔ اس کے دوستوں اور کزنز نے مل کر بہت خوب صورت فلورل ڈیکوریشن کی تھی۔ ملائکہ آج بھی نہیں آئی تھی۔ زریم کی اور کلاس فیلوز کے ساتھ ماہ نور اور ثانیہ بھی پیش پیش تھیں۔

دونوں نے مہندی کے تھال اٹھائے ہوئے تھے۔ آرائشی لائٹوں سے سجا ہوا تھا۔ پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے ان کا استقبال ہوا۔ پہلے ان سب کی خاطر و مدارت کی گئی پھر گانوں کا مقابلہ ہوا۔

اس کے بعد مہندی کی رسم شروع ہوئی۔ سلیمان باہر تھا۔ سلیمان کی کزنز اسے زبردستی لے کر آئیں۔ مہندی لگوانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

ماہ نور اور ثانیہ ساتھ ساتھ تھیں۔ انہیں سلیمان کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اب جب دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں۔ وہ سلیمان کو پہچان گئی تھیں۔

"ثانیہ! یہ تو وہی ہے۔" ماہ نور اسے قدرے الگ تھلگ سی جگہ لے آئی۔ دونوں اسی کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔

"ہاں میں پہچان گئی ہوں۔ سائرہ آنٹی بتا رہی تھیں کہ یہ پولیس آفیسر ہیں اور زریم کے رویے سے لگ رہا ہے وہ اس رشتے پہ ذرا بھی خوش نہیں ہے۔"

"میرا دل گھبرا رہا ہے یار! میں سلیمان بھائی کو بلا کر سب بتا دوں؟"

ماہ نور نے اسے گھور کر دیکھا۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ یہ موقع ہے ایسی بات کا؟ میں نہیں چاہتی زریم کی لائف ڈسٹرب ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں سائرہ آنٹی کو بتا دوں کہ یہ بے چاری ہم سے ہو گئی ہے۔" ماہ نور اس کے مقابلے میں سمجھ دار تھی۔

ثانیہ بھی متفق ہو گئی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے دل پہ رکھا بوجھ سرک گیا تھا اور پھر انہوں نے باقی رسموں میں خوشی خوشی اور جوش و خروش سے حصہ لیا۔



رات کا ایک بج چکا تھا۔ سلیمان کے گھر سے ابھی تک کوئی بھی واپس نہیں آیا تھا۔ ان کے گھر میں یہاں خاموشی اور سناٹا تھا۔ ثروت پھوپھو کے علاوہ ایک رشتے کی خالہ زریم کے پاس تھیں۔ تیمور صاحب بھی سلیمان کی مہندی میں بہنوئی کے ساتھ گئے تھے اور کچھ وقت گزار کر واپس آگئے تھے۔

وہ زریم کے کمرے میں آگئے جہاں ثروت بھی موجود تھیں۔ نیند کسی کو بھی نہیں آرہی تھی۔ زریم کارپٹ پہ بیٹھی ہاتھوں میں پہنے گجروں کی پتیاں توڑ توڑ کر پھینک رہی تھی۔ تیمور صاحب پاس رکھے صوفے پہ بیٹھ گئے۔ زریم بھی کارپٹ سے اٹھ کر ان کے پاس آگئی۔

"پاپا! آپ ٹھیک ہیں۔" زریم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھنے لگے۔ ان کے چمن کا پہلا پھول ان کی پہچان۔ جب نرس نے تولیے میں لپٹی ننھی منی زریم کو ان کے ہاتھوں میں دیا تو کیسا سکون ان کے رگ و پے میں اترا تھا۔

اب وہ ننھی سی زریم نہیں رہی تھی بائیس سال کی ہو چکی تھی۔ وہ گڑیا سی زریم جس کو پہلی بار سینے سے لگا کر ان کو اپنے اہم ہونے کا احساس ہوا تھا وہ اب پرائی ہونے جا رہی تھی۔ کسی اور کے آنگن کو مہکانے جا رہی تھی۔ بس ایک دن کی بات تھی پھر اس نے اداسیاں اور ویرانیاں چھوڑ کر چلے جانا تھا۔

درد کا کیسا احساس تھا جس نے ان کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ پھر جانے کب آنسوؤں نے آنکھوں کو ڈھانپا تھا انہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ زریم ان کے سینے سے لگی خود بھی رو رہی تھی۔ ثروت پھوپھو نے بمشکل تمام دونوں کو چپ کرایا۔

"تیمور! پاگل ہوئے ہو۔ کون سا زریم سات سمندر پار جا رہی ہے۔" وہ جانتی تھیں تیمور کے لیے بیٹی کیا حیثیت رکھتی ہے۔

"تم دونوں باپ بیٹی باتیں کرو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ثروت چائے بنانے کچن میں آگئیں۔

تیمور بہت غور سے زریم کو دیکھ رہے تھے ایک ایک نقش دل میں جذب کر رہے تھے۔ مایوں کے پیلے کپڑوں میں ملبوس بالوں میں اٹکے مرجھائے گجروں سمیت آنکھوں میں مٹا مٹا پھیلا کاجل اور چہرے پہ اداسی لیے زریم انہیں آج معمول سا زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

"پاپا! کیا دیکھ رہے ہیں۔" وہ کافی دیر سے ان کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر رہی تھی۔ بالآخر رہا نہیں گیا تو پوچھ ہی بیٹھی۔

"تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" وہ برجستہ بولے تو زریم کو کوشش کے باوجود یہ کہنے کی جرات نہیں ہوئی کہ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں جیسے کہ یہ دیکھنا آخری بار ہو۔ اپنی ہی سوچ سے اس کے وجود میں اک سرد لہر سی دوڑ گئی۔

"سائرہ تم سے بہت پیار کرتی ہے ایک ماں کی طرح۔ اسے حسرت ہی ہے کہ تم اسے مما کہہ کر بلاؤ تو کیا اس کی یہ خواہش پوری کرو گی؟" انہوں نے اس کا سر اپنے سینے پہ رکھتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ ثروت پھوپھو ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"میں تو بہت تھک گئی ہوں۔ شادی کے ہنگاموں میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ بھاگ دوڑ کر کر کے میری ٹانگوں کا تو حشر ہو گیا ہے۔" چائے کے کپ باری باری تیمور اور زریم کو پکڑاتے ہوئے انہوں نے تھکن کا رونا رویا۔

وہ کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ باہر گاڑیاں رکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ دیر بعد سائرہ بھی آگئیں ساتھ ثانیہ اور ماہ نور بھی تھیں۔

"نریم! سلیمان بھائی بہت ڈیشنگ لگ رہے تھے۔" یہ ماہ نور تھی۔

نریم نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا مگر وہ بے حد خوش تھی۔ بیتے لمحوں کی کوئی پرچھائیں اس کے پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"ہاں نریم آپی! آپ بہت لکی ہیں۔" یہ ثروت پھوپھو کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اریبہ تھی' جس نے یہ چٹکلہ چھوڑا تھا۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آئی۔

"میں اور لکی۔ ہونہہ اچھا مذاق ہے۔" وہ جل کر رہ گئی۔

چائے پی کہ ماہ نور وہیں کارپٹ پہ لیٹ گئی۔ ثانیہ نے نریم کو مہندی بھی لگانا تھی۔ ثروت نے ان دونوں کے علاوہ باقی سب کو زبردستی سونے کے لیے بھیجا۔ اب کمرے میں وہیں تینوں تھیں۔

"چلو مادام تکیے سے ٹیک لگاؤ۔ بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گی۔" ثانیہ نے کون پکڑلی۔

ماہ نور نے ہلکی آواز میں میوزک لگا دیا۔ وہی دونوں بول رہی تھیں نریم خاموش اور الجھی الجھی سی تھی۔

"اداس کیوں ہو ڈیئر! خوش ہو جاؤ۔ کل کو آخر سسرال جانا ہے۔ اتنا ڈیشنگ اور ہینڈسم دولہا ہے۔ دل چاہ رہا ہے جیلس ہو جاؤں تم سے۔" ثانیہ کا انداز مزاحیہ تھا جبکہ وہ کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی۔

"سلیمان بھائی نے کسی بھی قسم کا جہیز لینے سے انکار کر دیا ہے۔" ماہ نور نے ابھی ابھی اسے جو خبر دی تھی بالکل نئی تھی۔ وہ تکیے سے اٹھ گئی۔

"اچھا؟" اسے یقین نہیں آیا۔

"بس صرف کپڑے وغیرہ لیے ہیں آنٹی سائرہ نے۔ سلیمان بھائی تو یہ بھی نہیں لے رہے تھے مگر تیمور انکل کی طبیعت کی وجہ سے خاموش ہو گئے کیونکہ انکل نے کہا تھا کہ میری بیٹی برائیڈل میری پسند کا پہنے گی۔ تیمور انکل نے خود جا کر آرڈر دیا تھا۔ اتنا پیارا ہے تمہارا برائیڈل۔ آنٹی نے مایوں والے دن مجھے دکھایا تھا۔ مجھے تو سلیمان بھائی کی پوری فیملی ہی بہت سلجھی ہوئی لگی ہے۔" ماہ نور کے الفاظ سے لگ رہا تھا کہ وہ بے حد متاثر ہو چکی ہے۔

مہندی لگانے کے بعد ثانیہ تو فوراً سو گئی جبکہ ماہ نور اس سے پہلے ہی نیند کی وادی میں پہنچ گئی تھی۔ تکمیل ہوئی تو نریم بھی تھی مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

فجر کی اذان ہوئی تو تیمور صاحب جاگ رہے تھے آج پوری طرح متوجہ ہو کر انہوں نے اذان سنی تھی۔ پھر وضو کر کے فجر کی نماز ادا کی اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگی۔ انہیں بیدار پا کر سائرہ بیگم بھی اٹھ گئیں۔

وہ دعا مانگ کر اٹھے تو ایک الوہی سا سکون ان کے چہرے پہ پھیلا ہوا تھا۔

"لگتا ہے آج آپ کی طبیعت کافی بہتر ہے۔" سائرہ بیگم ان کی چستی دیکھ کر خوش ہوئیں۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں نریم کو رخصت جو کرنا ہے۔" نریم کے نام پہ ایک محبت سی ان کے لہجے میں اتر آئی تھی جسے سائرہ بیگم نے بھی محسوس کیا تھا۔

شام کو پار لر جانے سے پہلے تیمور صاحب نے اسے بہت پیار کیا۔ ننھی سی بچی کی مانند بانہوں میں سمیٹ کر سینے سے لگایا اور وہ بھی وہی سات سالہ نریم بن گئی جیسے اس کو مما ابھی ابھی چھوڑ کر گئی ہوں۔ بڑی دیر بعد یہ طوفان تھما۔ اور جب وہ تیار ہو کر واپس آئی تو تب بھی تیمور صاحب نے ہی ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی سے اترنے میں مدد دی۔ لہنگا بہت بھاری تھا۔ ایک طرف سے' تیمور صاحب اور دوسری طرف سے ثروت پھوپھو نے اسے تھاما اور اندر لائے۔

تب تیمور صاحب نے بھاری دوپٹہ اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ بہت حسین لگ رہی تھی وہ۔ انہوں نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چومی۔

"اب بالکل رونا نہیں ہے۔" انگلی سے اس کی پیشانی سے بالوں کی لٹ احتیاط سے پرے کرتے ہوئے انہوں نے دوستانہ وارننگ دی تو نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ مسکرا دی۔

تیمور صاحب تھری پیس میں بہت گریس فل لگ رہے تھے۔ بیماری سے کمزور ہو گئے تھے مگر ان کی وجاہت میں کمی نہیں آئی تھی۔

"پاپا!" نریم کے لہجے میں نمی اتری تو تیمور نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ تو وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ نکاح کے بعد سلیمان کو اسٹیج پہ نریم کے ساتھ بٹھایا گیا۔

رخصتی سے کچھ دیر قبل ثروت پھوپھو نے نریم کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"جب تیمور ملے تو رونا بالکل نہیں کیونکہ تمہارے رونے سے وہ ڈسٹرب ہو گا اور ڈاکٹر نے ٹینشن لینے سے منع کیا ہے۔" پھوپھو کہہ کر دور ہٹ گئیں۔

پھر پھوپھو کی ہدایت کے مطابق اس نے دل کو پتھر کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنے وجود میں خوشبو سمیٹے دلہناپے کا روپ سجائے زیورات اور قیمتی جوڑے سے آراستہ اس چہرے کو اس وجود کو وہ آج سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اسپتال میں اسے دیکھ کر اس نے اپنی حیرانی ظاہر نہیں ہونے دی تھی کیونکہ تیمور صاحب کا وہ اپنے والد جیسا ہی احترام کرتا تھا۔

ایک تجسس ضرور تھا کہ پوچھے تم ان لڑکیوں کے ساتھ کیوں تھی کیوں کیا تھا وہ سب مگر اس کے باوجود اس تجسس میں نفرت شامل نہیں ہوئی تھی۔

سلیمان سفید کاٹن کے کرتے شلوار میں ملبوس اس کے مقابل بیٹھا تھا۔ کسی دلکش سے کولون کی مہک نے نریم کے گرد گھیرا ڈالا تھا۔ نریم کا آنچل چہرے سے پیچھے کھسکا ہوا تھا اس لیے وہ اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

اس کی جھکی ہوئی پلکیں لرز رہی تھیں۔ یاقوتی لب باہم ایک دوسرے میں پیوست کسی نئی کہانی کو شروع کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ نریم کے دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے۔ سلیمان نے غور سے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور دائیں ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر دبایا تو نریم کے لبوں سے ہلکی سی آواز نکلی۔

"بہت خوب' یہ وہی ہاتھ ہیں۔ میں پہچان گیا ہوں۔" نریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میرا مطلب ہے کافی خوب صورت ہاتھ ہیں نازک اور آرٹسٹک بہت نرم بھی ہیں۔" سلیمان نے ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ "جیولری بھی بہت خوب صورت پہنی ہے۔" وہ اس کی کلائیوں کو بغور دیکھ رہا تھا جو کہنیوں تک مہندی کے خوب صورت ڈیزائن سے بجی ہوئی تھی۔ اب سلیمان کا ہاتھ اس کی کلائی پہ تھا۔ نظریں ایک پل میں اس کی گردن میں بجے جڑاؤ ہار' کانوں میں پہنے جھمکوں کو چھو آئیں ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اس نے نریم کے ماتھے پہ جھولتی لٹ پیچھے کی۔ جانے کیا تھا وہ ایک دم چیچھے ہوئی تھی۔

"اس کی کلائی سلیمان کی گرفت میں تھی جس میں بجی کانچ کی تین چار چوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

اس کے بازو پہ چوڑی کا ٹکڑا چبھ جانے کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ ابھر آیا تھا۔

"کوئی بات نہیں دشمنی میں سب چلتا ہے۔" وہ اپنے مخصوص گہرے لہجے میں بولا تو نریم کو بے انتہا خوف محسوس ہوا۔

دل چاہ رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے۔ سامنے بیٹھا شخص جو اسے مسلسل اپنی پُرفسوں نگاہوں کی گرفت میں لیے بیٹھا تھا اپنے لمس سے اس کے دل کو دھڑکا رہا تھا۔

"بہت حسین لگ رہی ہو۔ ایک ایک نقش آج بول رہا ہے۔ یہ آنکھیں۔۔۔" سلیمان کی انگلی اس کی بند آنکھوں پہ دھری تھی "یہ ہونٹ' یہ گردن' یہ وجود۔" سلیمان کا ہاتھ بول رہا تھا۔ "یہ ہار اتار دو ناں!" سلیمان کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھے۔

"نن۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے۔ پہلے وہ پیچھے ہوئی پھر بیڈ سے ہی اتر

گئی۔ زرتار دوپٹے میں جو پنیں لگی تھیں وہ تو پہلے ہی نکل چکی تھی اب جو یوں ڈر کے پیچھے ہوئی تو دوپٹہ سر سے اتر ہی گیا۔ سلیمان لمحوں میں اس تک پہنچ گیا۔

"سویٹ ہارٹ کیا ہوا؟" وہ انجان بنے سے بولتا نرمین کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے پلیز چھوڑ دیں۔" نرمین نے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے دور دھکیلنا چاہا۔

"اس وقت ڈر نہیں لگ رہا تھا جب ایک چھ فٹ کے مرد کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر آنکھوں پہ پٹی باندھ رہی تھیں۔" سلیمان کے لہجے سے ساری نرمی رخصت ہو چکی تھی۔

"بولو... بولو کیا منصوبہ تھا تمہارا اور تمہاری دوستوں کا۔" نرمین کا ہاتھ اس کی سخت گرفت میں پُر مرا کر رہ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھی آگئے۔ "تمہارے اس خوب صورت وجود میں بے رحم دل ہے۔" سلیمان کا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔ اسی دوران اس کا موبائل فون گنگنایا۔

اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے کال ریسیو کی۔

"کیا کہہ رہے ہو ریان! یہ کیسے ہوا۔ میں ابھی آرہا ہوں۔" وہ فون سن کر لمبے قدموں دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ چند منٹ گزرے تھے کہ خدیجہ، نرمین کے پاس آئیں۔

"بیٹا! کپڑے بدل لو۔" ان کا لہجہ نم اور سنجیدہ تھا۔

"آنٹی! کیا ہوا؟" اس کے دل میں کسی انہونی کا خدشہ جاگا۔

"جلدی کپڑے بدلو ہمیں تیمور بھائی کی طرف جانا ہے۔ طبیعت خراب ہے ان کی۔"

"مما! جلدی کریں گاڑی میں بیٹھیں۔ ریان گھر لاک کر کے آجائے گا۔" سلیمان دوبارہ بیڈ روم میں آیا۔ نرمین کپڑے تبدیل کر کے چادر اوڑھ رہی تھی۔

"آپ دونوں گاڑی میں بیٹھیں میں آرہا ہوں۔" وہ اپنا والٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ خدیجہ، نرمین کو ساتھ لے کر باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔



جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ میرے ہیں ہم سفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
مری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں قبول کر سکا نہ میں وہ شریک راہ سفر ہوئے
جو مری طلب مری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مری دھڑکنوں کے قریب تھے مری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز و شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

"پاپا! اگر مجھے ذرا بھی پتا چل جاتا تو میں نہ جاتی۔ پاپا! مجھے کیوں پتا نہ چل سکا کہ آپ مجھے چھوڑ کر جانے والے ہیں۔" روتی مچلتی نرمین کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

سائرہ بیگم ٹکر ٹکر ایک ایک کو دیکھے جا رہی تھیں۔ نرمین کی رخصتی کے بعد تیمور صاحب اندر آکے لیٹ گئے تھے۔ وہ بہت خوش تھے کہ بیٹی کا فرض خوش اسلوبی سے ادا ہو گیا ہے۔ مہمان جو دوسرے شہر سے آئے تھے ابھی تک ادھر ہی تھے۔ سائرہ ملازموں سے کام کروا رہی تھیں۔ جب فارغ ہو کر اندر آئیں تو وہ ابدی نیند سو رہے تھے۔ اس قدر سکون تھا کہ ان کے چہرے پہ۔ لگ ہی نہیں رہا تھا اس شخص میں زندگی کی رمق نہیں ہے۔ انہیں دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا تھا جو کہ جان لیوا ثابت ہوا تھا۔

سلیمان نے اس موقع پہ بیٹے والی ساری ذمہ داری نبھائی۔ سائرہ کو دوسرا روز تھا کچھ بھی نہیں کھایا تھا اس نے۔ سلیمان نے کسی نہ کسی طرح انہیں کھانے پہ آمادہ کر ہی لیا۔

ایک کپ دودھ کے ساتھ ڈبل روٹی کا سلائس انہوں نے مشکل سے کھایا تھا۔ ادھر وہ سر منہ لپیٹے کمرے میں پڑی تھی نہ بولتی تھی نہ باہر آتی تھی۔ خدیجہ آوازیں دے دے کر مایوس ہو گئی تھیں۔ شام کو اس نے دروازہ کھول دیا مگر باہر پھر بھی نہیں آئی۔ ریان نے اسے بہت سمجھایا۔ مگر کھانا ویسے کا ویسا آگے پڑا رہا۔ ریان کو یوں لگ رہا تھا وہ کسی بے جان شے سے مخاطب ہے۔

"ریان! تم جاؤ۔" سلیمان نے اسے باہر بھیج دیا۔ نرمین کارپٹ پہ گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی تھی یوں کہ چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔

"نرمین! تیمور انکل کتنی محبت کرتے تھے آپ سے اگر اس حال میں وہ آپ کو دیکھ لیتے تو جانے کیا گزرتی ان پہ۔ انہیں شاباش! سائرہ خالہ کو بھی آپ نے ہی ہمت دینی ہے بہادر بنیں اور پہلے تھوڑا سا کچھ پی لیں۔" سلیمان نے اس کا گھٹنوں پہ رکھا سر اٹھایا۔ بند آنکھوں کے پیچھے موتی چمک رہے تھے۔

"شاباش نرمین! سنبھالیں خود کو۔"

کتنا مہربان لگ رہا تھا اس سے وہ۔ نرمین کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ کسی کے گلے لگ کر نہیں روئی تھی۔ مگر سامنے بیٹھے اس شخص نے یہ بھی قسم توڑ دی تھی۔ وہ اس سے لپٹ کر چیخ چیخ کر روئی۔

وہ اس کا سر سہلا رہا تھا۔ "شاباش، اب چپ ہو جائیں اور سائرہ خالہ کے پاس آکر بیٹھیں۔ مما بھی بہت پریشان ہیں۔" بہت دیر بعد جب وہ پُرسکون ہوئی تو سلیمان نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"آج تو رو لیا ہے۔ آئندہ نہیں رونا۔ مرنے والے کی روحوں کو تکلیف ہوتی ہے۔" نرمین اس کے بازوؤں کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ اس کا دوپٹہ نیچے کارپٹ پہ پڑا تھا۔ سلیمان نے اٹھا کر اس کے کندھے پہ ڈالا۔ نرمین کے ہاتھ پاؤں سے ابھی تک مہندی کی خوشبو آرہی تھی۔ نقش و نگار ذرا بھی مدھم نہیں ہوئے تھے۔

خدیجہ نے اسے پاس بٹھا لیا۔ نرمین کے سامنے سائرہ بیگم کی لٹی لٹی اور اداس سی جانے کیوں وہ اسے اجنبی سی لگیں۔ نرمین نے نظریں چرا لیں۔



تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
بیکوراں ہو رہگزار حیات
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں
جیسے لفظوں سے موت رستی ہو
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں
جیسے سونا پڑا ہو شہر دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو گلیوں میں
جیسے خوشیوں سے دشمنی ہو جائے
جیسے جذبوں سے آشنائی نہ ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک عمر کی مسافت پر
بات کچھ بھی سمجھ نہ آئی ہو
جیسے چپ چاپ ہوں آرزو کے شجر
جیسے رک رک کہ سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر
جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک خوف کے جزیرے میں
کوئی آواز دے کے چھپ جائے
جیسے ہنستے ہوئے اچانک ہی
غم کی پروا سے آنکھ بھر آئے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے!!

تیمور صاحب کو اس دنیا سے گئے ہوئے دو ماہ سے زائد ہو گیا تھا مگر سائرہ بیگم کو ان سے جدائی کا زخم آج بھی تازہ لگتا تھا۔ ان کی پریگننسی کو سات ماہ گزر چکے تھے۔ جوں جوں ٹائم گزر رہا تھا ان کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

آج نرمین کو بھی جانا تھا۔ خدیجہ ڈیڑھ ماہ ادھر ہی بہن کے پاس رہی تھیں۔ نرمین بھی ابھی تک یہیں تھی۔ سلیمان اس دوران وقت نکال کر روز آتا۔ فیکٹری کا منیجر سلیمان سے رابطے میں تھا وہ ایماندار شخص تھا۔ سلیمان بھی صورت حال سے آگاہ تھا کہ اس لیے ابھی تک کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی۔

سائرہ بیگم نے ہی سلیمان سے کہا تھا کہ نرمین کو یہاں

سے لے جاؤ۔ چونکہ شادی والے دن ہی تیمور صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ تو ولیمہ بھی ملتوی ہو گیا تھا۔ سائرہ بیگم اور نزیم میں اجنبیت کی دیوار سی حائل ہو گئی تھی۔

دونوں ایک دوسرے سے بات نہیں کرتی تھیں۔ اس عالم میں نزیم کا دم گھٹنے لگا تھا۔ سلیمان بھی آتا تو سائرہ بیگم کے پاس سے ہی بیٹھ کر چلا جاتا۔ کئی بار اس کے آنے کی خبر ہی نہ ہو پاتی۔

اس روز بھی جب وہ جانے لگا تو سائرہ بیگم نے روک لیا۔

"نزیم کو ساتھ لے جاؤ! اسے تبدیلی کی ضرورت ہے۔"

"خالہ! آپ اکیلی ہیں کچھ دن اور رہ لے وہ پھر میں لے جاؤں گا۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ دامن بچا رہا ہے۔



سلیمان تین دن سے نہیں آیا تھا۔

اس دوران صرف ایک بار اس کا فون آیا تھا۔ سائرہ پریشان تھیں۔

سائرہ بیگم کو نزیم پہ غصہ آتا اس نے ایک بار بھی سلیمان سے گھر جانے کے لیے نہیں کہا۔ اب تو خدیجہ کو بھی تشویش نے آن گھیرا تھا۔ ریان یونیورسٹی سے فارغ تھا وہ اسے ساتھ لے کر چلی آئیں۔

سائرہ کی تنہائی کے پیش نظر انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ریان ادھر ہی رک جائے اور وہ دونوں میاں بیوی سلیمان کے پاس۔

خدیجہ اور ریان کی آمد نزیم کے لیے خاصی خوش کن تھی۔ وہ بات کرنے کے لیے ترس گئی تھی۔ مگر انہوں نے آتے ہی ریان سے کہا کہ

"بھابی کو گھر چھوڑ آؤ۔"

"میں ادھر ہی ہوں سائرہ کے پاس، تم جب تک آرام سے رہ آؤ۔ بچھڑنے والے چلے جاتے ہیں مگر زندگی چلتی رہتی ہے۔" انہوں نے زندگی کا سب سے بڑا سچ بیان کیا۔

"کچھ عرصہ بعد ہم سب بھی ادھر ہی شفٹ ہو رہے ہیں تمہارے انکل آکر خود ہی گھر دیکھیں گے۔ پسند آگیا تو لے لیں گے۔" لگے ہاتھوں انہوں نے اگلا پروگرام بھی بتا دیا۔

وہ بجھے بجھے انداز میں تیار ہوئی عام سے سوتی کپڑے دھلا دھلایا چہرہ۔ خدیجہ نے دیکھا تو سر پیٹ لیا۔

"میں نے تو بولا کر اپنے جاؤ بھی نہیں پورے کے اچھے سے کپڑے پہنو اور چوڑیاں بھی چڑھاؤ کلائی میں۔ آج کل کی لڑکیوں کو تو اتنا شوق ہوتا ہے بننے سنورنے کا۔ سائرہ فارغ ہو جائے تو پھر دھوم دھام سے ولیمہ کروں گی سلیمان کا۔" انہوں نے خود اس کی الماری کھول کر ایک سوٹ نکالا۔ یہ سب شادی کے پہلے کے سلے ہوئے تھے۔ پنک کلر کا اسٹائلش سا سوٹ تھا۔

"یہ پہنو فوراً"۔

اس سے پہلے کہ ریان اسے چھوڑنے جاتا سلیمان خود آگیا۔ خدیجہ نے اسے بھی اپنے آنے کا نہیں بتایا تھا تو وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ نزیم نے چار روز بعد اسے دیکھا تھا۔ جانے کیا بات تھی اس میں کہ اس کے سارے منفی خیالات دم توڑ گئے تھے۔

پپا کے جانے کے بعد جس طرح اس نے ذمہ داری نبھائی تھی سائرہ کو اور اسے حوصلہ دیا تھا۔ اس کے نزیم کو جو اکیلے پن کا خوف تھا وہ جاتا رہا تھا۔ اس نے فیکٹری کے معاملات بھی ایماندار لوگوں کے ہاتھ میں دیے تھے۔

نزیم کچن میں آگئی۔ ساجدہ بریانی کو دم دے رہی تھی۔ نزیم نے بھی اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔

ساجدہ چائے دینے ڈرائنگ روم میں گئی تو خدیجہ نے نزیم کا پوچھا۔

"وہ تو کچن میں ہیں۔ سوئٹ ڈش کے بعد سلاد کے لیے سبزیاں کاٹ رہی ہیں۔" ساجدہ نے بتایا تو سائرہ بیگم کی نگاہ سلیمان کی طرف اٹھی گویا کہہ رہی ہو کہ میں جو نمک لگ ہی گئی ہے۔



میری آنکھوں میں رات جلتی ہے
رات میں کئی خواب جلتے ہیں
دیئے جلتے نہیں!
اسے یہ کیسے بتاؤں کہ
جاں جلتی ہے....!
سب جلتے ہیں
تو کہ دل سلگتا ہے!
دیئے جلتے نہیں!

"مما! میں ان دنوں بہت بزی ہوں رات کو بھی واپس آنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہے۔ کیونکہ شہر کے حالات خراب ہیں تو کسی بھی وقت مجھے جانا پڑ جاتا ہے۔" خدیجہ نے اسے ایک بار پھر نزیم کو ساتھ لے جانے کو کہا تو سلیمان نے پھر وضاحت کی۔

اس کی معقول دلیل پہ خدیجہ خاموش ہو گئیں مگر نزیم کو لگ رہا تھا اس نے جان چھڑائی ہے۔ وہ سب سے الگ بیٹھی تھی۔ نظریں رہ رہ کر سلیمان کی طرف اٹھتی تھیں۔ اپنے اسمارٹ ہیر کٹ گہری پر تاثر آنکھوں سمیت ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھا وہ نزیم کو اپنی پہنچ سے بہت دور لگ رہا تھا۔

اسے پاپا کی باتیں یاد آرہی تھیں، جو اس کی رخصتی سے قبل انہوں نے اس کے ساتھ کی تھی۔

"ابھی تم اپنی خود ساختہ نفرت کے قبضے میں ہو جب نفرت کا یہ خول ٹوٹے گا تو تمہیں سب نظر آنے لگے گا۔ سلیمان اچھا لڑکا ہے۔ وہ دن دور نہیں ہے جب تمہارا اولی تعلق مضبوط ہو جائے گا کیونکہ یہ رشتہ ہوتا ہی ایسا ہے دو اجنبی لوگوں کو محبت جیسے مضبوط بندھن میں باندھ دیتا ہے۔"

"تو کیا پاپا نے ٹھیک کہا تھا؟" وہ پھر الجھ رہی تھی۔

محبت ان کے لفظوں میں....
چھپا اک راز ہے گہرا
جیسے گہرے سمندر میں
چھپا اک قیمتی موتی
جو لفظوں سے عیاں نہ ہو
جو لفظوں میں بیاں نہ ہو....!

کہانی مضطرب سی اک
قصہ لایعنی سا اک
سمجھنے کو سمجھانے کو
دل کا ہونا ضروری ہے



سائرہ بیگم کی بڑی بھابی نے گاؤں سے ایک میاں بیوی کو اس کے پاس بھیجا تھا۔ اماں حاجرہ اور خدا بخش کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی دونوں شروع سے ہی اس کے میکے میں کام کرتے آئے تھے۔

قابل اعتماد اور قابل بھروسہ تھے۔ اس لیے انہوں نے سائرہ بیگم کے پاس بھجوا دیا ویسے بھی ان حالات میں اس کے پاس کسی سمجھ دار عورت کا ہونا ضروری تھا اور اماں حاجرہ ان خصوصیات پہ پوری اترتی تھیں۔

ان دونوں میاں بیوی کو یہاں آئے چند دن ہی گزرے تھے اور وہ اس ماحول میں رچ بس گئے تھے۔ خدا بخش نے پورے لان کی حالت بدل دی تھی۔ اماں حاجرہ نے ساجدہ کے ساتھ مل کر کچن کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ سائرہ کے لیے وہ خود کھانا بناتی تھیں۔ مقوی اور قوت بخش، فارغ وقت میں وہ ان کے بالوں میں تیل کی مالش کرتی ان کا حوصلہ اور ہمت بڑھاتی۔

جوں جوں سائرہ کی ڈلیوری نزدیک آرہی تھی، اس کی تکلیف بڑھتی جارہی تھی۔

اس دن سلیمان آفس سے اٹھنے کے بعد گھر جانے کے بجائے سائرہ بیگم کی طرف چلا آیا۔ وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔ اماں حاجرہ نے بتایا کہ اندر ڈاکٹنی چیک کرنے آئی ہوئی ہے۔

"پتر دن قریب ہیں ناں سائرہ دھی کے تب ہی ڈاکٹنی سے چیک کرا رہی ہے۔" پاس ہی نزیم بھی تھی اماں حاجرہ کی کھلی ڈلی بات پہ شرما کر رخ موڑ لیا۔

"آپ بیٹھیے ناں۔" اماں حاجرہ کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے نزیم نے اخلاقیات نبھانا چاہا۔

"ہاں پتر! بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" انہیں پتا تھا سلیمان اس گھر کا داماد ہے تب ہی خاطر تواضع میں

جت گئیں۔

وہ بے نیازی سے بیٹھا کبھی کبھی اس پہ بھی نظر ڈال لیتا تھا جو دانتوں سے ہونٹ کچل رہی تھی۔ کتنی بار وہ اپنی رسٹ واچ دیکھ چکا تھا جیسے بہ حالت مجبوری بیٹھا ہو۔ نریم نے آج پہلی بار اسے یونیفارم میں ملبوس دیکھا تھا۔ دل چاہ رہا تھا خوب غور سے جائزہ لے مگر چوری پکڑے جانے کا ڈر تھا جانے وہ کیا سوچے پہلے ہی اتنا اجنبی بنا ہوا تھا۔

"آپ کی اپنی فرینڈز سے ملاقات نہیں ہوتی آج کل۔" اس نے اچانک غیر متوقع سوال کیا تھا۔ نریم کو یقین نہیں آرہا تھا کہ واقعی وہ اس سے پوچھ رہا ہے۔

"جی ہوتی رہتی ہے۔" اس نے سنبھل کر کہا۔

"ملائکہ سے پھر ملیں آپ؟"

وہ پوری جان سے لرز گئی۔ کیا وہ سب جان گیا ہے۔ اسے سب پتا چل گیا ہے۔ اس کا خوف آنکھوں سے جھانکنے لگا تھا۔

"جی نہیں میں اس سے نہیں ملتی۔" وہ اندرونی خوف پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

"تین دن پہلے وہ دو لڑکوں ارمان اور جواد کے ساتھ گرفتار ہوئی ہے۔ ایک جیولر کے پاس چوری کے زیورات فروخت کرنے آئی تھی وہ باقی دو لڑکوں کے ساتھ۔ خاصا جاندار کیس ہے یہ اور میرے ایک جاننے والے کے پاس ہے۔ وہی اسے ہینڈل کر رہا ہے۔" سلیمان بغیر کسی تاثر کے بتا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے مجرموں کی طرح بیٹھی تھی۔

"اور ہاں ایک اور اطلاع بھی ہے آپ کے لیے کہ ملائکہ رحمانی نے ہائی وے سے ایک گاڑی بھی چھینی ہے گن پوائنٹ پہ ارمان کے ساتھ اور جس سے گاڑی چھینی گئی ہے وہ زخمی حالت میں اسپتال میں ہے۔ ارمان نے اس کی ٹانگ پر گولی ماری ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا اماں حاجرہ چائے کی ٹرالی لے آئیں۔

"سلیمان پتر! اب اپنی بیوی کو گھر لے جاؤ۔ سائرہ بٹی بھی خیر سے فارغ ہو جائے گی۔" اماں حاجرہ نے جس طرح اسے ساتھ لے جانے کا کہا تھا۔ نریم کا دل کر رہا تھا انہیں ڈانٹ دے پر سامنے وہ بیٹھا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سلیمان کی بیگانگی سب کی نظروں میں آگئی ہے۔

"اماں! آپ جائیں۔" اماں حاجرہ منظر سے ہٹیں تو نریم نے چائے کی پیالی اس کے آگے رکھی۔

"میں نہیں پیوں گا' چلتا ہوں۔ آفس سے اٹھ کر ادھر ہی چلا آیا۔ یونیفارم بھی نہیں چینج کیا سوچا تھا کہ خالہ کی خیریت دریافت کر لوں خیر پھر سہی۔"

یعنی وہ صرف خالہ کی خیریت پوچھنے آیا تھا اسے خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے ایک بار بھی نریم سے گھر چلنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

✲ ✲ ✲

کچھ خواب ہیں جن کو لکھنا ہے
تعبیر کی صورت دینی ہے
کچھ لوگ ہیں اجڑے دل والے
جنہیں اپنی محبت دینی ہے
کچھ پھول ہیں جن کو چننا ہے
اور ہار کی صورت دینی ہے
کچھ اپنی نیندیں باقی ہیں
جنہیں بانٹنا ہے کچھ لوگوں میں
ان کو بھی تو راحت دینی ہے
اے عمر رواں!
آہستہ چل
ابھی خاصا قرض چکانا ہے

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب درد کی شدت سے گھبرا کر سائرہ کی نیند ٹوٹی۔ پاس ہی کارپٹ پہ اماں حاجرہ سو رہی تھیں۔ انہوں نے بیڈ پہ لیٹے لیٹے انہیں آواز دی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

سائرہ کے زرد چہرے پہ پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"کیا ہوا بٹی!" وہ لپک کر اس کے پاس آئیں۔ دانت پہ دانت جمائے تکلیف کو برداشت کرنے کی

کوششیں کر رہی تھیں۔

"اماں! سلیمان کو فون کریں مجھے اسپتال لے جائے۔" وہ الٹے قدموں نریم کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئیں۔

یوں بے وقت دستک سن کر نریم بھی پریشان ہو گئی باہر اماں حاجرہ آواز دے رہی تھیں۔

"نریم بچے نریم پتر! اٹھ جاؤ۔"

"اماں! کیا بات ہے؟"

"بیٹی! سائرہ کی طبیعت خراب ہے۔ سلیمان بیٹے کو فون کرو فوراً' پہنچے۔" کہہ کر وہ پلٹ گئیں۔

سلیمان کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا اور ابھی جاگ رہا تھا۔ آج پہلی بار فون پہ اس نے نریم کی آواز سنی تھی۔

"آپ فوراً' ہماری طرف آئیں۔ سائرہ بیگم کی طبیعت خراب ہے۔" اس نے سلام دعا کیے بغیر کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ وہ سیل فون کو کچھ لمحے گھورتا رہ گیا۔

"بہت خوب' سائرہ بیگم۔ ابھی تک محترمہ کا طنطنہ رخصت نہیں ہوا ہے۔" غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

✲ ✲ ✲

سائرہ بیگم لیبر روم میں تھیں۔ نریم باہر کرسی پہ بیٹھی اضطرابی حالت میں انگلیاں موڑ رہی تھی۔ اماں حاجرہ دل ہی دل میں سورتیں پڑھ رہی تھیں۔ سلیمان بھی موجود تھا۔

کافی دیر ہو گئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نریم کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا کیسی عجیب سی بے کلی تھی جو دل کو کسک سے آشنا کر رہی تھی۔

بے قراری حد سے سوا تھی۔ ابھی کچھ گھنٹے قبل جب سائرہ لیبر روم میں جا رہی تھیں تو نریم کے ایک ہاتھ کو دبایا تھا۔ اس خاموش سے لمس میں جو درد جو پیغام چھپا تھا وہ نریم پہ اب منکشف ہو رہا تھا۔

"نہ جانے کیا ہو گا؟" اضطراب کسی پل بھی چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ وہ لمبے کوریڈور میں ٹہلنے لگی۔ وقت گویا تھم سا گیا تھا۔

کافی صبر آزما انتظار کے بعد لیبر روم کا دروازہ کھلا۔ سائرہ کو دوسرے روم میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ ہانپتی کانپتی اماں ہاجرہ کے پیچھے وہ بھی کھلے دروازے سے اندر لپکی۔

سائرہ بیگم کو ڈرپ لگی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔ پاس ہی کمبل میں لپٹا وہ ننھا سا وجود محو خواب تھا۔

نریم کبھی سائرہ کو دیکھ رہی تھی کبھی اس سوئے ہوئے فرشتے کو۔ ڈرتے ہچکچاتے اس نے پہلا قدم اٹھایا پھر دوسرا۔

نفرت سے محبت کی طرف واپسی کا پہلا قدم اٹھانا ہی دشوار ہوتا ہے' اور اس منزل کو نریم نے آج چھو ہی لیا تھا۔

اس کے ہاتھ اس ننھے سے وجود کی طرف بڑھے۔ سائرہ کی سانس جیسے سینے میں ہی اٹک گئی۔ وہ دم سادھے دیکھ رہی تھیں۔ نریم نے اسے اٹھا لیا۔

"میرا بھائی' میرا بھائی' میرے بھائی ہو ناں تم' میں اکیلی نہیں ہوں۔" درد کا لاوا نریم کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔

"مما! یہ میرا بھائی ہے ناں' میرا چھوٹا بھائی۔" اسے اٹھائے اٹھائے وہ سائرہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

جس جادوئی لفظ کو سائرہ اتنے طویل عرصے سے سننے کی متمنی تھیں وہ آج نریم نے بول ہی دیا۔ سلیمان نے حیران کن منظر دیکھا۔ اسے ابھی ابھی نرس سے پتا چلا تھا کہ سائرہ بیگم نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے۔

نریم سائرہ بیگم سے لپٹی بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں بازو سائرہ کے گرد حمائل تھے۔ سائرہ خود موت کی سرحد کو چھو کر لوٹی تھیں۔ اماں ہاجرہ نے انہیں بیٹھنے سے منع کر دیا۔

"ماں بٹی گھر جا کر لاڈ کر لینا۔ چلو لیٹو سائرہ بٹی!" انہوں نے اپنائیت بھرا مان جتایا تھا۔ واقعی کمزوری سائرہ کے وجود سے عیاں تھی۔ نریم بھائی کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔

"اف ونڈر فل۔ اس کی آنکھیں بالکل پاپا کی طرح ہیں۔ اور یہ دیکھیں اس کے گال کتنے سوفٹ ہیں۔ دل کرتا ہے پیار کر کر کے۔۔۔" ایک دم اس کی زبان کو بریک لگ گیا۔ سلیمان بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپ کر رخ بدل گئی۔

"مما! دیکھیں ناں اس کی آنکھیں بھیا کی طرح ہیں ناں!" اب وہ پھر سائرہ بیگم کے بستر پہ تھی۔

"ہاں اور اس کے بالوں کا کلر' ستواں ناک' ہاتھ پاؤں سب تمہاری طرح ہیں۔"

"سچ۔" وہ خوشی سے بے حال ہو رہی تھی۔

"بالکل سچ' یہ اپنی آپی کی طرح ہے۔" انہوں نے تصدیق کی تو ایک بار پھر اس کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

"مگر اس کا دل اپنی آپی کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔" پاس بیٹھا سلیمان بڑے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

زریم نے ادھر ادھر دیکھا کہیں کسی نے سن تو نہیں لیا۔ وہ بول کر بالکل بے نیاز بن گیا تھا۔

دوپہر تک ہاسپٹل کا وہ پرائیویٹ روم رشتہ داروں سے بھر چکا تھا۔

خدیجہ' زریم کی آنکھوں کی سرخی دیکھ رہی تھی جو شب بیداری کی غماز تھی۔ انہوں نے زبردستی ریان کے ساتھ اسے گھر بھیجا۔ ورنہ ننھے منے سے بھائی کے پاس سے اٹھنے کو بالکل دل نہیں کر رہا تھا۔

اماں ہاجرہ بھی اس کے ساتھ ہی گھر آئی تھیں۔ انہوں نے رات کو دوبارہ واپس جانا تھا سائرہ کے لیے کھانا لے کر۔

زریم تو گھر پہنچتے ہی سو گئی۔

زریم روز صبح اسپتال آتی اور مغرب کے بعد خدیجہ زبردستی گھر واپس بھیجتیں۔ اس کا دل چاہتا ہی نہیں تھا بھائی کو چھوڑ کر جائے۔ اس کی یہ محبت دیکھ کر سائرہ کے دکھوں کا ازالہ ہو گیا تھا۔

اس ننھے منے وجود نے زریم کو ان سے ملا دیا تھا۔ اس کے منہ سے لفظ مما کتنا پیارا اور انمول لگتا تھا۔

وہ جب تک ان کے پاس رہتی بھائی کو اٹھائے رکھتی اس کے گالوں پہ انگلیاں پھیرتی اس کی آنکھوں کو چھوتی اس کے گلابی ہونٹوں کو چومتی اور دیکھ [illegible] خوش ہوتی۔

چوتھے دن سائرہ بیگم کو اسپتال سے گھر جانے کی اجازت مل گئی۔ اس روز زریم اسپتال نہیں آئی تھی وہ گھر پہ ان کے استقبال کی تیاری کر رہی تھی۔ جب گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو پختہ روش پہ زریم کھڑی تھی۔ ساتھ ہی روشن' خدابخش' اکرم اور ساجدہ بھی تھے۔

زریم نے پھولوں کی پتیاں سائرہ بیگم پہ نچھاور کیں۔

"ویلکم مما!" ساتھ ہی وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"مما! آئی ایم سوری۔ آئندہ میری طرف سے آپ کو دکھ نہیں ملے گا۔" خدیجہ کی گود سے اس نے بھائی کو لے لیا۔

"میں اسے خود اٹھاؤں گی۔" ایک سرشاری کی [illegible] کی رگ جاں میں اتر گئی۔

ان کی غیر موجودگی میں زریم نے ان کے بیڈ روم کی سیٹنگ خود چینج کی تھی۔ سب کچھ دھلا دھلایا تھا۔ گل دان میں تازہ پھول مہک رہے تھے اور ایک بے بی کاٹ کا بھی اضافہ ہوا تھا۔ سائرہ بیگم کا دل محبت سے [illegible] گیا۔ وہ لیٹ گئیں تو زریم نے ان کے پاس چھوٹے سے بھائی کو بھی لٹا دیا۔

"مما! اس کا نام کیا رکھیں؟"

"جو تمہیں پسند ہے رکھ دو کیونکہ تم آپی ہو اس کی۔"

"بس پھر آج سے اس کا نام علی ہے۔" "میں پہلے سے ہی سوچ رکھا تھا۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اس کا نام علی ہے۔" دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر خدیجہ خوش ہو رہی تھیں۔

"اب تم خیر سے گھر آ گئی ہو تو میں سوچ رہی ہوں ایک چھوٹا موٹا سا فنکشن ارینج کر لوں کیونکہ عثمان اور سلیمان کے بہت سے جاننے والے ہیں اپنے رشتہ دار ہیں جو ولیمہ کھانے کی ضد کر رہے ہیں تم کیا [illegible]

ہو؟" ان کا روئے سخن سائرہ کی طرف تھا۔

"آپا! اچھی بات ہے ضرور فنکشن کریں۔ میں بھی چاہتی ہوں زریم اپنے گھر جائے ہنسی خوشی۔" بھلا انہیں کیا اعتراض تھا۔

"اور ہاں عثمان کہہ رہے تھے ہم ولیمہ لاہور میں اپنے گھر کریں گے انہیں بڑی تمنا ہے کہ بہو کچھ دن اس گھر میں رہے۔ اگر تیمور بھائی یوں ہمیں چھوڑ کر نہ جاتے تو شادی کے دو دن بعد ہم نے لاہور لے جانا تھا زریم کو۔" تیمور صاحب کے ذکر پہ سائرہ کی آنکھیں بھیگ گئیں تو خدیجہ بھی اداس ہو گئیں۔

زریم ادھر ہی آ رہی تھی۔ سائرہ بیگم نے فوراً اپنے آنسو صاف کیے۔

"اب تم بھی چلنے کی تیاری کرو۔" خدیجہ نے ماحول پہ طاری اداسی کو بھگانا چاہا۔

"کہاں؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے خدیجہ کی طرف دیکھا۔

"لاہور۔" ان کے جواب پہ وہ چپ سی ہو گئی۔

"ولیمہ ہم اپنے اسی گھر میں کریں گے تمہارے انکل کی خواہش ہے۔" انہوں نے وضاحت کی۔

رات کو سلیمان خدیجہ کو لینے آ گیا۔ اس کی آمد پہ ساجدہ اور اماں حاجرہ نے کھانے پہ خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ سائرہ کے لیے یخنی زریم نے خود بنائی۔

وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ماں اور خالہ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلا تو اماں حاجرہ دکھائی دیں۔ سوپ کا باؤل لیے وہ سائرہ کو دینے جا رہی تھیں۔

"اماں! آپ کی چھوٹی بی بی کہاں ہیں؟"

"وہ اندر ہیں۔" اماں حاجرہ نے اس کے پوچھنے پہ کچن کی طرف اشارہ کیا۔

"اماں! اتنی جلدی سوپ دے بھی آئی ہیں۔ ویری گڈ۔ علی تو نہیں رو رہا تھا۔"

وہ ہانڈی میں چمچہ چلاتے ہوئے اسے اماں حاجرہ سمجھ کر بولی۔ جب کچھ لمحے خاموشی طاری رہی اور اسے اپنے سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تو وہ پلٹی۔ سلیمان دروازے پہ پھیل کر کھڑا تھا۔ ایسے کہ جب تک وہ آگے سے نہ ہٹتا نہ کوئی اندر آ سکتا تھا نہ باہر جا سکتا تھا۔

"کب تک یہاں ہی کھانے پکانے کے ارادے ہیں۔ کسی اور کی بھی خبر ہے کہ نہیں۔" وہ قصداً ذرا گہری آواز میں بولا جس میں ہلکے سے غصے کی آمیزش محسوس کی جا سکتی تھی۔ جواباً وہ خاموش ہی رہی تو سلیمان آگے بڑھ آیا۔ "میں نے کچھ کہا ہے؟" اس کے انداز سے زریم پھر گھبرانے لگی۔ "کب تک چھپ کر بیٹھی رہو گی۔" وہ صاف صاف دھمکی دے رہا تھا۔

"آگے سے ہٹیں۔ علی رو رہا ہو گا۔" اسے یہاں سے بھاگنے کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔

"تو میں کیا کروں علی رو رہا ہے تو۔۔۔"

"مجھے اندر جانا ہے۔" اب تو وہ روہانسی ہی ہو گئی۔

"مجھے گھر لے کر جانا ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی سلیمان نے اپنا بازو پھیلا دیا۔

ساجدہ کی قدموں کی آواز ادھر ہی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سنبھل گیا۔ زریم کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔



"خبردار! اب تم نے اور زریم کو تنگ کیا تو۔۔۔" سائرہ بیگم نے رعب سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ اصل میں وہ جس طرح آپ کے ساتھ بدتمیزی سے بول رہی تھی میں برداشت نہیں کر سکا۔ میں نے تو مینرز سکھانے تھے اسے جو تیمور انکل کی ڈیتھ کی وجہ سے نہیں سکھا سکا۔"

"بس سلیمان بہت ہو گئی ہے۔ زریم بیٹی ہے میری۔ اب تم نے کوئی زیادتی کی تو میں معاف نہیں کروں گی۔ تیمور کی جان تھی اس میں۔" سائرہ یک بیک جذباتی ہو گئیں۔

"خالہ! میں تو مذاق کر رہا تھا۔" ان کے بدلتے تاثرات دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا تو سائرہ بھی مسکرا دیں۔

”ویسے آپ کی بیٹی نے جس طرح کڈنیپ کرنے کے بعد میری آنکھوں پہ پٹی باندھی تھی وہ آپ دیکھ لیتیں تو عش عش کرا ٹھتیں۔“ سلیمان ابھی تک ان ہاتھوں کی لرزش نہیں بھولا تھا۔

”محترمہ نے ایک پولیس آفیسر کے ساتھ ہاتھ کیا۔ وہ آپ کو نظر نہیں آتا۔“

”ماہ نور اور ثانیہ سب تمہیں بتا تو چکی ہیں۔ بس ہو گیا اب بھول جاؤ اور نریم کو مزید تنگ نہ کرو۔“

”ہو کے نہیں کرتا۔ اگر مجھے ذرا سا بھی یقین ہو تا کہ وہ ملائکہ اور باقی دو لڑکوں کے گروہ کے ساتھ ملوث رہی ہے تو پھر میری ڈکشنری میں معافی کا لفظ نہیں تھا۔ میں نے پوری تحقیق کروائی ہے۔“

سلیمان کے چہرے پہ اتنی سختی اور درشتی تھی کہ سائرہ بیگم بھی ڈر گئیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ دبا کر پر سکون رہنے کی خاموش سی تلقین کی۔

سلیمان کی کزنز اور رشتہ دار عورتیں نریم کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ ریان الگ شور مچا رہا تھا کہ مجھے بھی جگہ دو بھابھی کے پاس بیٹھنے کی۔ خاص خاص مہمانوں کو بلانے کے باوجود پھر بھی اچھے خاصے لوگ جمع ہو گئے تھے' سلیمان کے ولیمہ کی تقریب سج سی گئی تھی۔ خدیجہ اور عثمان بہت مسرور تھے۔

”سائرہ بیگم علی کو گود میں لیے نریم کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ گاہے بگاہے نریم جھک کر علی کا گال چوم لیتی۔

”اتنا لیٹ ولیمہ پہلی بار کھایا ہے۔“ یہ سلیمان کی کزن تھی۔

”مگر یہ بھی دیکھیں' دیر آید درست آید۔ سو ولیمہ لیٹ نہ ہوتا تو میرا سالا کیسے شرکت کرتا۔“ سلیمان برجستہ بولا تو زور کا قہقہہ پڑا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد لڑکیاں اسے کمرے میں لائیں۔ خدیجہ نے پورے اہتمام اور چاؤ سے نریم کو تیار کرایا تھا۔ ہار سنگھار' زیورات اور لباس سے وہ بارات کی دلہن کی مانند ہی نظر آرہی تھی۔

سیکنڈ فلور پہ جہاں سلیمان لاہور آتا تو قیام کرتا تھا اسی کمرے کو ڈیکوریٹ کرایا گیا تھا۔

اب آؤ ہم لوگ
پھر سے سیکھیں اقرار کے طریقے
تمام
دور جنوں کی رسمیں
تمام اظہار کے سلیقے
تم اپنی آنکھوں سے
میری آنکھوں کے جام بھر دو
اگر پیالوں کے کنارے شکستہ ہوں تو حرج کیا ہے
مئے وفا کی نمی تو ہوگی
تم اپنے ہاتھوں سے میرے بالوں کی لٹ سنوار دو
سیاہی شب کی دل فریبی نہیں ملے گی تو خوف کیا ہے
کہیں کہیں چاندنی تو ہوگی
تم اپنے ناموں کی لاکھ مہروں کو
میرے چہرے پہ ثبت کر دو!
یہ عہد نامہ ورق ورق ہو تو سوچنا کیا!

”یہاں سینے میں جو دل دھڑکتا ہے کیا اب بھی ویسا ہی ہے' پہلے جیسا۔“ وہ کتنے مزے سے نریم کی لرزتی پلکوں کا رقص دیکھ رہا تھا۔

خوشبوؤں میں بسا ترو تازہ نکھرا نکھرا سا سلیمان اس کے سامنے موجود تھا۔

”مجھے لگتا ہے پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔“ اس کا نازک سا لرزتا ہاتھ سلیمان نے اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ لیا تھا۔ نازک سا لرزتا ہاتھ پسینے میں بھیگا بھیگا سا۔

”ملے ہو مگر اجنبی بن رہے ہو قیامت نہیں ہے پھر اور کیا ہے۔“ وہ دلکش انداز میں مسکرایا اور اس کی کلائیوں میں بجی چوڑیوں کو دیکھنے لگا۔ جانے اس کی نگاہ سے نریم نے کیا پڑھا اور کیا سمجھا تھا کہ بازو اور ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”اتنی بزدلی۔ جب ایک چھ فٹ کے پولیس آفیسر کو کڈنیپ کیا تو اس وقت یہ دل اتنا تیز تیز نہیں دھڑکا

رہا تھا۔“

اس کا ہاتھ سلیمان کے لبوں پہ دھرا تھا۔

”جب بھی دیکھا اسرار بھری لگی ہو۔ اب اس وقت یہاں ہو میرے پاس مکمل طور پہ بے بس' میرے قبضے میں۔ چاہوں تو ایک ایک لمحے کا حساب لوں اور چاہوں تو چھوڑ دوں۔ اتنا عرصہ دور رہی ہو۔“

”تو کیا آپ بدلہ لیں گے مجھ سے۔“ وہ تڑپ کر بولی۔ ”لبوں کا قفل توڑنے پہ مجبور ہوئی جواباً“ وہ جان لیوا انداز میں مسکرایا۔

وہی جان دار اور مقابل کو بے بس کرنے والی مسکراہٹ۔

”ہاں۔“ اس کی شوخ نگاہیں نریم کے سراپے سے پورہ کر لپٹ رہی تھیں۔ سو وہ اس کے ارادے بھانپ گئی تھی۔

”بھ پانی' پیاس لگ رہی ہے مجھے۔“

سینٹرل ٹیبل پہ جگ میں پانی پڑا تھا۔ وہ مڑا۔ نریم کے لیے اتنی مہلت بہت تھی' وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ سامنے ڈریسنگ روم تھا۔

”پھر بے ایمانی۔“ وہ سلیمان کی گرفت میں آچکی تھی۔ وہ ثانیے میں سارے فاصلے عبور کر گیا تھا۔

”بہت سی باتیں کہی نہ جائیں تو مفہوم گم ہو جاتا ہے۔ مجھے ان لمحوں کو قید کرنا ہے۔“

نریم کے حواس خطا تھے۔ اس جادوگر نے اسے گھائل سا کر دیا تھا دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھتا جا رہا تھا۔

”مجھے تمہاری خوشبو کو تمہاری سانسوں سے چرانا ہے۔“ وہ بے بس سی اپنی دھڑکنیں شمار کرتی رہ گئی۔

سلیمان نے نہ شکوہ کیا تھا نہ شکایت' نہ گزرے ماضی کی غلطیوں کا حوالہ دیا تھا۔

اس کے دوستانہ انداز نے نریم کے سارے خدشات کو دور کر دیا تھا۔

اس انوکھے فاتح نے اسے بہت پہلے ہی فتح کر لیا تھا سو اب اپنی ہار کا اعتراف کرنے میں کیا حرج تھا۔

☼